آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل!

لہو رنگ تحریکِ آزادیٔ کشمیر
اور
آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس افسوس کہ ان......

چراغوں میں روشنی نہ رہی

سید آغا حسین مغموم

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل!

لہو رنگ تحریکِ آزادیٔ کشمیر

اور

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس افسوس کہ ان......

چراغوں میں روشنی نہ رہی

تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی داعی، ریاست جموں و کشمیر میں دوقومی نظریئے کی نقیب
لاکھوں شہداء کی وارث، رئیس الاحرار چوہدری غلام عباسؒ کی یادگار جماعت
سوادِ اعظم آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے عروج وزوال
کی دلخراش داستان، ایک ایثار پیشہ، دیرینہ کارکن کے قلم سے

******

مصنّف

سید آغا حسین مغموم

بسم

اللہ

الرحمن

الرحیم

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

نہایت محبت کے ساتھ
محترم مکرم علامہ سید [illegible] کو
پیش کر رہا ہوں - سید [illegible]

انتساب :

رئیس الاحرار چودھری غلام عباسؒ کے نام جنھوں نے ایک عزم وحوصلہ سے بیگانوں کے وار سہے۔16 سال بھارتی قید میں گزارے اور پھر اپنوں کے چرکوں پہ چرکے سہے لیکن اس کے باوجود آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے ایثار پیشہ کارکنوں کو یہ پیغام دیا کہ تکلیفیں آئیں تو برداشت کرنا، رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا اور مسلم کانفرنس کا پیغام گلی کوچوں میں پھیلانا کہ کہ ہمارا الحاق کا نعرہ سرزمین پاکستان اور ملت اسلامیہ پاکستان کے لیے ہے۔ پاکستان ہمارا قلب وجگر ہے۔ ہماری جانِ آرزو ہے۔حکومتیں آنے جانے والی ہیں۔ ہمارا نظریہ، عقیدہ اور نصب العین پاکستان اور سرزمین پاکستان رہنا چاہیے۔

اور

تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے ضمن میں بھارتی استبداد کا مردانہ وار مقابلہ کرنیوالے زعما کرام، شاہین صفت نوجوانوں اوران بہادر ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے نام جو اپنی ایمانی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے علم شہادت کے سائے تلے کلمہ حق بلند کیے ہوئے ہیں۔

*****

ضابطہ

******

نام کتاب: چراغوں میں روشنی نہ رہی

مصنف: سید آغا حسین مغمومؔ (سوہاوہ)

کمپوزنگ: ساجد جاوید چودھری (لاہور)

اہتمام طباعت: سید رضا علی گیلانی الکشمیری، لاہور

چھاپہ خانہ: کاشف سلیمی پریس، اُردو بازار لاہور

موسم اشاعت: ربیع الاوّل 1439ھ (دسمبر 2017ء)

تعداد اشاعت: ایک ہزار (پہلی بار)

زرِ تعاون: تین صد پچاس روپے

*****

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

اقبال



قائد ملت، رئیس الاحرار

چودھری غلام عباسؒ



قائدملت ؒ کے ساتھی ، سابق وزیر تعلیم حکومت آزاد جموں و کشمیر
الحاج سید محمد عبداللہ شاہ آزاد (گولڈ میڈلسٹ تحریک آزادی کشمیر)



قائد ملتؒ کے ساتھی، سابق وزیر تعلیم حکومت آزاد جموں و کشمیر
الحاج سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ (گولڈ میڈلسٹ تحریک آزادی کشمیر)

فہرست عناوین

فہرست عناوین

لہو رنگ تحریک آزادیٔ کشمیر

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں!

ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک
خضرؑ سوچتا ہے ولر کے کنارے

کوہ ہمالیہ کے دامن میں خطہ کشمیر اپنی خوبصورتی، قدرتی حسن کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ گھنے جنگلات، قدم قدم پر خوبصورت آبشاریں، چھوٹے چھوٹے ندی نالے، موتیوں کی طرح بہتے چشمے، پانچ دریاؤں کی آماجگاہ خاص طور پر سری نگر کی جھیل وُلر، جھیل ڈل اور اس پر تیرتے خوبصورت شکارے، چشمہ ویری ناگ، وادی اچھا بل اپنے قدرتی حسن کے لحاظ سے پریوں کی سرزمین خطہ کشمیر:

اگر جنت بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

ریاست کا رقبہ 84000 مربع میل ہے۔ اس کی سرحدیں چین سے ملی ہیں۔ سرزمین کشمیر سے نکلنے والے پانچوں دریاؤں کی قدرتی گزرگاہ صوبہ پنجاب ہے جو ان پانچ دریاؤں کے نام سے موسوم ہے۔ جموں وکشمیر کے اس قدرتی حسن نے ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کو تاخت وتاراج کی دعوت دی۔ بقول شیخ محمد عبداللہ:

''کشمیر کو کشمیر کے حسن نے مارا۔''

جبکہ 1846ء میں انگریزوں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک درباری گلاب سنگھ کے درمیان ایسا سیاہ باب رقم ہوا۔ ایسی شرمناک تحریر معاہدہ امرت سر کے نام سے لکھی گئی، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ پوری سرزمین جموں و کشمیر کو معہ اس میں بسنے والے 20، 25 لاکھ انسانوں کے، صرف 75 لاکھ روپے نانک شاہی میں انگریزوں نے مہاراجہ کو فروخت کر دی۔ اندازہ کیجئے نام نہاد جمہوریت کے چیمپئن کی عام انسانوں سے نفرت کی شرمناک مثال ''قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند'' کی ہے... یہیں سے آگے تقریباً ڈیڑھ صدی تک جموں و کشمیر کے مسلمان غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ بقول ابوالاثر حفیظ جالندھری:

''مائیں جنتی ہیں یہاں بچے غلامی کیلئے۔''

خطّہ کشمیر سرزمین اوٗلیا:

خطّہ کشمیر بحمدہ تعالیٰ سرزمین اوٗلیا اللہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ والوں نے ہمیشہ عام آبادی سے ہٹ کر پہاڑوں، جنگلوں اور وادیوں میں بسیرے کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے آستانوں سے فیض کے ایسے سوتے پھوٹے کہ دور دور سے ان کے فیوض و برکات نے گمگشتان راہ کی راہنمائی کی اور لوگ کھچے چلے آتے رہے۔ حضرت سید امیر کبیر علی ہمدانی سینکڑوں علماء کے ہمراہ سری نگر۔ تشریف لائے۔ خانقاہ معلّی میں بیٹھک شاہ ہمدان ان کے نام سے آج بھی خوشبو کے موتی بکھیر رہی ہے۔ ریاست کے چپّہ چپّہ پر اوٗلیاء صوفیا کے آستانے ہیں۔ کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں میں ان صوفیاء کے آستانوں پر سبز ہلالی پرچم شان بے نیازی سے لہراتے نظر آئیں گے۔

مقبوضہ کشمیر میں شاہدرہ شریف (راجوری) میں حضرت سید غلام شاہ بادشاہؒ،

سری نگر میں حضرت نانگا باجیؒ، حضرت مائی للہ عارفہؒ، حضرت شیخ نور الدین ولیؒ، بیٹھک شاہ ہمدانؒ، خانقاہِ معلی اور یہاں آزاد کشمیر میں ڈھانگری بالا میں دربار عالیہ فیض پور شریف چکسواری کھوئی رٹہ میں حضرت پیر سید مقبول حسین شاہ گیلانیؒ، محترمہ مائی طوطیؒ، تاجدار کھڑی شریف حضرت پیرا شاہ غازیؒ، صاحبِ سیف الملوک حضرت میاں محمد بخشؒ، میرپور میں حضرت پیر طریقت سید نیک عالم شاہؒ، پناگ شریف کوٹلی میں پیر سید حیدر شاہؒ کا مزار مبارک، دربار عالیہ اگہار شریف کوٹلی، حضرت سخی سائیں سہیلی سرکارؒ مظفر آباد، حضرت شاہ عنائت ولیؒ مظفر آباد (سلسلہ چشتیہ کی معروف درگاہ نڑاں شریف جن کا عرس سالک آباد چھتر میں منایا جاتا ہے) دربار عالیہ حضرت سید جنید شاہؒ، پانیولہ پونچھ، حضرت سائیں کملہ بادشاہؒ کوٹلی، دربار عالیہ نیریاں شریف تراڑ کھل، حضرت قاضی سلطان محمود اعوان شریف..... غرض کس، کس کا ذکر کروں سب آستانوں کی تصویر کشی میرے بس کی بات نہیں۔ سرزمین جموں وکشمیر کا چپہ چپہ ان فقراء، صوفیاء کے آستانوں سے مزّین ہے، لیپہ کرناہ کا دربار عالیہ جہاں عُرس پر حد متارکہ کے دونوں جانب سے تشنگان فیض جوق درجوق کھنچے چلے آتے ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ کا مرکز:

ضلع نیلم میں اُٹھمقام سے پیچھے نہائت خوبصورت پہاڑی سلسلہ ہے جہاں بلند وبالا جنگلات کے درمیان میں وادی کیاں شریف سلسلہ نقشبندیہ کا ایسا معروف مرکز ہے جہاں سے برصغیر ہندو پاک پر فیوض وبرکات کے ایسے دریا بہے جو پوری دنیا پر آفتاب عالم تاب بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ خواجگان غوث الزماں حضرت خواجہ نظام الدینؒ محو خواب ہیں۔ جموں وکشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ کا یہ مرکز ماگم شریف میں حضرت محمد صدیق ماگمیؒ سے شروع ہوکر چورہ شریف ضلع اٹک سے ہوتا ہوا، حضرت ہادی نامدارؒ

اور حلسلہ دراز کے چشمے بہا تا حضرت بہاؤلدین نقشبند سے اوپر سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اسی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کمیاں شریف کی بھٹی سے تاجدار وانگت لار شریف سری نگر، سلطان الاذکار خواجۂ خواجگان حضرت میاں عبداللہ المعروف بابا جی صاحب لارویؒ کندن بن کر نکلے، فقر و غنیٰ میں بے مثال جن کے فیض نے لاکھوں دلوں کو نور معرفت سے منّور کیا۔ انؐ کے صاحبزادے حضرت میاں نظام الدینؒ بھی صاحب کمال ولی اللہ تھے۔ سلطان الاولیا حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ (نور پور سیّداں، سوہادہ) حضرت جی صاحب لارویؒ کے خلیفۂ اعظم تھے، جنہوں نے 1895ء میں کشمیر سے پیدل سفر کر کے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔

حضرت الحاج سید محمد شاہؒ ولی کامل کالو چک (گجرات)، حضرت میاں محمد حسینؒ گلاب گڑھ، حضرت صوفی سید حاکم علی شاہؒ (سدوال) چکوال، حضرت سید حسین شاہ صاحب (والدِ محترم سید محبوب شاہ صاحب) حضرت حاجی سید حسن شاہؒ (مدفون جنت البقیع) حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ (جو پندرہ سال تک کشمیر اسمبلی کے ممبر رہے) حضرت پیر سید حبیب اللہ شاہ بخاریؒ، درویش غلام محمد موضع مانیگام، کشمیر سمیت بے شمار خلفاء تھے۔

حضرت سید امیر شاہ نور پور سیداں حضرت بابا جی صاحب لارویؒ کے دیگر خلفاء میں ہٹیاں بالا کے حضرت حاجی سکندر شاہؒ اور بساہاں شریف فارورڈ کہوٹہ میں حضرت پیر الحاج سید ولایت شاہؒ ہیں۔ نقشبندیہ قادریہ کا یہ سلسلہ اس قدر وسیع تر ہے کہ تمام تر کا احاطہ کرنا میرے جیسے گنہگار کے بس کی بات نہیں۔ خواہش ہے کہ:

"نیکاں دے لڑ لگیاں شائد میں بھی بخشیا جاواں"

چنانچہ اسی خواہش پر قلم اٹھایا: گر قبول افتد زہے عز شرف۔

ڈوگرہ حکمرانوں کا نظام حکومت:

رسوائے زمانہ بیعنامہ امرتسر کے بعد حکومت کا نظام کار چلانے کیلئے ڈوگرہ حکمرانوں نے پٹہ دار مقرر کئے۔ اس نظام کو ذیلداری نظام کہا جاتا تھا۔ کئی کئی گاؤں پر ایک ذیلدار مقرر ہوتا۔ اس کی معاونت گاؤں کے نمبردار، چوکیدار کرتے۔ یوں ریاست کے باشندے حکومت کے ان کارندوں کے رحم وکرم پر ہوتے۔ راہ چلتے غریب لوگوں کو پکڑ کر کئی کئی روز جبری بیگار پر لے جایا جاتا۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ کسان سال بھر محنت کرتے فصل تیار ہوتا تو یہ کارندے فصل اٹھا کر لے جاتے۔ حقوق کیلئے آواز اٹھانا شجر ممنوعہ تھا۔ اس صورت حال سے اکثر لوگ ہجرت کر کے برصغیر کے مختلف اضلاع کا رخ کرتے۔ اکثر و بیشتر پنجاب میں آ کر آباد ہو گئے۔ حکومت کے ان کارندوں کو دیکھ کر علاقہ کے باشندے سہم جاتے تھے۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس صورتحال کی یوں نقشہ کشی کی ہے:

آؤ ویری ناگ دیکھیں، آؤ اچھا بل چلیں
ہستیٔ مزدور کو پیروں کے نیچے مَل چلیں

تاریخ کشمیر کا گم شدہ باب 1923:

مذکورہ بالا باب تاریخ کشمیر کا ایک ایسا گم شدہ باب ہے جو حقیقت میں تاریخ کشمیر کی ابتداء ہے۔ اس کے محرک تحریک پاکستان کے عظیم بزرگ رہنماء مولانا محمد علی جوہرؔ کے ساتھی محرک تحریک آزادیٔ کشمیر حاجی مولوی سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ شورش جبالی (حال مدفون بانیاں چھمب برنالہ آزاد کشمیر) ہیں۔ یہ ایسا باب ہے کہ اگر اس سے پردہ اٹھائیں تو بعض نازک مزاج لوگوں کے ماتھے پر بل پڑتے ہیں، جنھوں نے جی بھر کر تاریخ کو مسخ کیا۔ جو تحریکِ آزادی کشمیر میں قربانیاں اور خدمات کا کریڈٹ اپنے

اپنے خاندانوں کے سوا کسی اور کو دینے کیلئے تیار نہیں حالانکہ ایسے عظیم لوگوں کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ جدوجہد آزادی کشمیر کے مراکز 1923ء، 1930، 1945اور 1947ء مردم خیز خطہ صوبہ جموں تا راجدھانی پونچھ سے لے کر گلگت تک کس کس نے کتنی لازوال داستانیں رقم کیں۔ جنہوں نے سستی شہرت یا نمود و نمائش کیلئے نہیں بلکہ اسلام کی عظمت و سربلندی اور دوقومی نظریے کیلئے لازوال قربانیاں دیں، ان کا ذکر اپنے اپنے مقام پر انشاء اللہ آگے آئے گا اور یہ بھی وضاحت کی جائے گی کہ ان نازک مزاج لوگوں نے اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھا کر تاریخِ کشمیر میں کہاں، کہاں غلط بیانی سے کام لیا اور تاریخِ کشمیر کے اوراق کا کس طرح سرقہ کیا۔ انشاء اللہ اس میں تاریخی حقائق کا دلائل اور شواہد سے بیان ہوگا۔

مذکورہ بالا تاریخ کا گم شدہ باب جموں میں معطل شدہ ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' کی نشاۃ ثانیہ سے بھی چار سال قبل 1923ء کا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اس تاریخی واقعہ کے محرک حاجی مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ ہیں۔ جو ساری زندگی بے پناہ قربانیوں کے باوصف ظاہری نمود و نمائش سے دور رہے۔

واقعہ یوں ہے کہ ضلع ریاسی کے علاقہ تھرُو جملان میں ذیلدار سربن سنگھ اور اس کے کارندوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی۔ کسانوں سے فصل تیار کرواتے اور جبراً اٹھا کر لے جاتے۔ ایک بار لیب لگانے (دھان کی فصل کی کاشت سے پہلے اس کی تیاری کا مرحلہ ''لیب لگانا'' کہلاتا ہے) میں ایک بیل گر گیا، نمبردار کرشنا نے اس کی جگہ اس بیل کے مالک کو لیب میں باندھا، جس سے وہ شخص زخمی ہو گیا۔ اس طرح تھرو جملان اور دیگر گاؤں کے لوگ ذیلدار سربن سنگھ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کے پاس اسلام آباد (اننت ناگ) میں

حاضر ہوئے اور اپنے اوپر ظلم وستم کی داستان بیان کی اور دُعا کی درخواست کی۔ معروف کشمیری رہنماء چوہدری محمد موسیٰ کا خاندان بھی ان متاثرین میں شامل تھا جو آج کل گجرات، سیالکوٹ کے مختلف ایریا میں آباد ہیں۔ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ نے اپنے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ شاہؒ کو ان مریدین کی دل جوئی کیلئے ساتھ روانہ کیا۔ مولوی محمد حبیبُ اللہ شاہؒ اس دور میں ہندوستان کے ضلع ڈیرہ دُون میں ایک دینی درسگاہ میں مفتی ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ اور گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر آئے ہوئے تھے۔ ان متاثرین کے ہمراہ گے ان کی داستان الم سنی۔

مہاراجہ ہری سنگھ موضع بٹوت ضلع ریاسی کے دورہ پر تھا۔ مولوی صاحب ان لوگوں کو لیکر ٹبوت نامی گاؤں میں پہنچ گے۔ مہاراجہ ان متاثرین کو اکٹھے آتے دیکھ کر حیران ہوا اس لئے کہ ریاست میں اتنے لوگوں کا اکٹھے آنا پہلا واقعہ تھا اور اپنے حقوق کیلئے آواز اٹھانا تو شجر ممنوعہ تھا۔ مہاراجہ نے ان لوگوں سے پوچھا آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں، کس غرض سے آئے ہو؟ مولوی محمد حبیبُ اللہ شاہ ضیاءؔ نے متاثرین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فی البدیہہ کہا کہ مہاراجہ صاحب!

آرہی آواز ان کی ہر در و دیوار سے
پر الم ہے یہ رعایا ٹیکسوں کے بار سے
راشی الاوقات نمبردار، چوکیدار سب
ہو چکے ہیں دیکھ کر سرکار کو، بیمار سب

مہاراجہ نے کہا آپ اپنی بات کی وضاحت کریں۔ آخر ان نمبرداروں اور چوکیداروں نے کیا قصور کیا ہے؟ تو مولوی محمد حبیب اللہ شاہؒ نے ذیلدار سربن سنگھ اور دیگر کارندوں کے ظلم وستم کی پوری داستان بیان کی اور لیب میں جوتے گئے شخص کے

زخم دکھا کر کہا کہ ذیلدار سر بن سنگھ اور اس کے ساتھی برملا کہتے ہیں کہ یہ ظلم وزیادتی مہاراجہ کی ہدایت پر کرتے ہیں۔ بتائیں یہ بے چارے غریب لوگ کہاں جائیں؟ مہاراجہ نے کہا میں فلاں تاریخ کو تھروجملان آؤں گا، وہیں اس معاملہ کو حل کروں گا۔

مقررہ تاریخ کو حسبِ وعدہ مہاراجہ تھروجمبلان گیا، مولوی صاحب ان متاثرین کے ساتھ موجود تھے۔ مہاراجہ نے ذیلدار سے پوچھا آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔ ذیلدار سر بن سنگھ نے نظریں جھکا لیں۔ مہاراجہ نے سر بن سنگھ کا پٹہ منسوخ کر دیا اور نیا ذیلدار مقرر کرتے ہوئے واضح ہدایت کی کہ آئندہ ایسی شکائت نہ آئے۔ ان متاثرین کی زمینیں واگزار کیں۔ اس موقع پر مولوی حبیب اللہ شاہؒ نے مہاراجہ کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا:

ہو مبارک اس جگہ تشریف لانا آپ کا
تھرو کے اُجڑے ہوں کو پھر بسانا آپ کا

تاریخ کشمیر کا دوسرا گم شدہ باب 1924:

تاریخ کشمیر کا یہ اہم واقعہ بھی جموں میں مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کی بحالی سے قبل کا ہے۔ جب 1924ء کو ایک قادیانی مولوی عبدالرحمن نامی شخص لڑی میدان کی جامع مسجد کا خطیب بن کر آیا۔ اس نے دو سال تک اپنے نظریات کو خفیہ رکھا۔ بھید کھلنے پر مولوی عبدالرحمن تو روپوش ہو گیا۔ مگر علاقہ میں کشیدگی کا ماحول پیدا ہو گیا تو ڈوگرہ سرکار نے جامع مسجد کی تالا بندی کر دی۔ اس نے جلتی پر تیل چھڑک دیا۔ مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر پیدا ہو گئی۔

ریاست جموں و کشمیر کے معروف روحانی پیشواء سجادہ نشین لاہ شریف راجوری حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ نے علاقہ کے مسلمانوں کو احتجاج کیلئے کہلا بھیجا۔

ذرا غور تو کریں یہ 1924ء کا دور تھا۔ ریاست کے باشندے احتجاج کے لفظ سے کانپتے تھے۔ حقوق حاصل کرنے کیلئے کھلا احتجاج بغاوت کے زمرے میں آتا تھا۔ تاہم ایک ولی کامل کا حکم پا کر زندہ دل مسلمان کھنچے چلے آئے۔ آپ کے صاحبزادے مولوی محمد حبیبُ اللہ شاہ ضیاءؒ اور برادرِ صغیر حضرت پیر سید سلیمان شاہؒ (شہید 1947ء) مسلمانوں کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے لڑی میدان میں پہنچے۔

جمعتہ المبارک کا دن تھا۔ مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ نے تقریر کی۔ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ کی امامت فرمائی۔ بعد ازاں جلوس ترتیب دیا گیا جو نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کرتا آگے بڑھنے لگا۔ اسی دوران سامنے سے صوبے دار اونکار سنگھ کی قیادت میں ڈوگرہ ملٹری کا ایک کالم نمودار ہوا۔ صوبے دار اونکار سنگھ نے آواز دے کر جلوس کو رکنے کا اشارہ کیا اور یہ کہا کہ اس طرح کھلے عام جلوس میں احتجاج کی سرکار ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ یہ روائت ریاست میں بغاوت تصور ہوگی۔ اس پر مولوی محمد حبیب اللہ شاہ پر جوش انداز میں گویا ہوئے: جامع مسجد کی تالہ بندی ہمارا ایک مذہبی معاملہ ہے، ہم اپنے دین میں مداخلت برداشت نہیں کر سکتے۔ سرکار تالہ بندی ختم کرے، ہم احتجاج ختم کر دیں گے۔ اس کشمکش میں جلوس ڈوگرہ ملٹری کے قریب پہنچ گیا۔ اور روبرو ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔ جس نے ایک باقاعدہ لڑائی کی شکل اختیار کر لی۔ موضع ڈڈاج کے ایک شیر دل رہنما ملک عبدالرحمٰن نے ایک سپاہی کی تلوار چھین لی اور اس سپاہی کا بازو کاٹ دیا۔ گولی چلی دو مسلمان شہید ہوئے۔ ملک عبدالرحمٰن کو دو سال سزا ہوئی۔ تاہم مزید احتجاج سے بچنے کیلئے جامع مسجد کی تالہ بندی ختم کر دی گئی۔ یہ ہے تاریخ کشمیر کا زندہ جاوید گم شدہ دوسرا باب۔ غور طلب امر ہے تاریخ کے ان اوراق کی ورق گردانی کی جائے یہ اس دور کے سنہری واقعات ہیں

جب ریاست جموں و کشمیر کے باشندے ڈوگرہ کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ انسانی حقوق کے لفظ سے ہی کوئی فرد آشنا نہ تھا۔ ہاں کبھی ،کبھی مولانا سید احمد اللہ شاہ ہمدانی ڈوگرہ حکمرانوں کو یاداشتوں میں عوام کی اصلاح کی بات کرتے تھے مگر نہ کوئی سیاسی تنظیم تھی نہ کوئی سیاست کے الفاظ سے آشنا تھا۔ اس دور میں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ اوران کے صاحبزادے مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ نے ریاست کے مسلمانوں کو حقوق دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی بنیاد پر آگے چل کر رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس نے مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ کو ''شورش جبالی'' کا لقب عطا کیا تھا۔

گاہ چرائی ٹیکس میں تخفیف:

اسی طرح تخفیف ٹیکس گاہ چرائی کا معاملہ پیش آیا۔ ایک ظالم ساہوکار بلدیو شاہ ٹھپہ جس نے ایک مظلوم گجر کو اپنی جبر و استبداد سے نالاں کیا۔ جس کی درخواست بذریعہ ڈاک جموں کے سرکردہ اہلکاروں کے پاس ارسال کردی گئی۔ واپس وہی درخواست تھانہ ارناس کے سب انسپکٹر کے پاس آئی۔ قبل ازیں خاکسار نے ایک یادداشت تحریر کر کے مطلع کیا کہ حبیب لادی ایک مظلوم اور ناتواں ہے وہ تحریر شدہ خط اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس بچارے کو پکڑ کر لاٹھی چارج کیا جس سے بے تاب ہوکر گلاب دین لادی کہ جہاں خاکسار کی دعوت تیار کی گئی تھی، حبیب لادی وہاں پہنچا اور اپنی قمیض اتار کر زخموں کے نشان دکھانے اور رونے لگا چنانچہ خاکسار نے وہ دعوت ترک کردی اور فوراً عازم جموں ہوا۔ راستے میں میاں ڈگل نے پکڑ لیا اور کھانا کھلایا۔ وہاں سے بعد از فراغت براستہ سلال، ریاسی پہنچا۔ وہاں پر سپرنٹنڈنٹ وزیر سروپ چند آیا ہوا تھا۔ اس کا چپراسی مسلمان تھا اور وہ اس کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھاتا تھا۔ خاکسار نے حبیب مظلوم کو سمجھایا ہوا تھا، چنانچہ ایک درخواست تحریری اس کے پاس پیش کی جس پر اس نے

کہا کہ میں تھانہ ارناس کی انسپیکشن کے لیے جارہا ہوں۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ جناب میرا ایک زمین کا مقدمہ جموں دائر ہے، حاضری ضروری ہے۔ سب انسپکٹر ارناس وہاں ہی تھا اس نے حبیب سے معذرت پیش کی کہ جو مکتوب مولوی حبیب اللہ شاہ نے دیا تھا وہ میں نے دیکھا نہیں تھا، ورنہ میں زیادتی ہرگز نہیں کرتا تھا۔ اس کی بکواس کی ہم نے کوئی پرواہ نہ کی اور لاری پر سوار ہو کر جموں میں سردار وزیر محمد خان، ڈی آئی جی پولیس کی کوٹھی پر چلے آئے جن سے خاکسار کا پہلے سے تعارف تھا اس لیے ہم بذریعہ چٹ اندر چلے گئے اور ایک درخواست دی۔ جو سردار صاحب کے پاس بذریعہ سنتری پیش ہوئی۔ اس موقع پر خاکسار نے بھی زبانی سردار صاحب کو کہا کہ میں اسی درخواست کے لیے آیا ہوں۔ سردار صاحب نے اسی وقت سب انسپکٹر پولیس ارناس کو سخت احکامات جاری کیے جس پر بلدیو شاہ ٹھپہ اور اس کا لڑکا گوری شنکر گرفتار ہو کر ریاسی میں عدالت میں پیش کیے گئے اور عرصہ ڈیڑھ سال کے لیے سزا یافتہ ہو کر ریاسی جیل میں رہے۔

تخفیف ٹیکس گاہ چرائی پر خاکسار نے مختلف مقامات پر اجلاس کیے، نتیجتاً تخفیف ٹیکس عمل میں لایا گیا، اس سلسلہ میں حصول نقولات کے لیے خاکسار کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ قائد ملت چودھری غلام عباس نے پرزور تائید فرمائی۔ بعد از حصولِ نقولات آمدہ علاقہ جات کے سرکردگان فتح یابی کا سن کر واپس اپنے اپنے علاقہ میں چلے گئے۔ 47ء کی انقلابی روئیداد پر زمانہ کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

مسٹر دُرگا پرشاد (آئی جی پی) کو حضرت شورش جبالی ؒ کا کرارا جواب:

1947 میں جب مسلمانان جموں و کشمیر پر ڈوگرہ حکومت نے عرصۂ حیات تنگ کیا اور راجوری کی سرزمین شہدا کے خون سے لالہ زار کر دی گئی۔ غربا و مساکین کی آہ و بکا تحت الثریٰ سے لیکر افلاک کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ ماموں نمبردار پیر سید حیدر علی

شاہ صاحب شہیدِ اکبر کے ساتھ تین شہدا تھے جن میں تحصیلدار ملک عبدالرشید بھی تھے، مولوی حسن محمد ملک اور ذیلدار کرامت اللہ خان سمیت لاتعداد مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت ہم لوگ تلاطم خیز بحرانِ غم میں مبتلا تھے۔ وہاں سے نکل کر درہال کھوڑی والی کے وسیع جنگل پینتری والی میں رہے اور وہاں سے نکل اپنے دیگر رفقا کے ہمراہ قصبہ گیر جنگ نامی میں آ گئے۔ وہاں پر بیل وغیرہ ذبح کر کے مہاجرین کو کھلائے۔ 18 دن وہاں پر قیام کیا۔ خاکسار کے ہمراہ حاجی غلام حسین، جماعت علی تھے۔ وہاں پر حاجی جمال دین مستری درہالوی آ گئے، کہا گیا کہ اب امن ہو گیا ہے واپس چلو، میرے ہمراہ مال مویشی اور گھوڑے بھی تھے چنانچہ مال و اسباب لاد کر واپس ہوئے۔ گٹھ والی گلی سے نکل کر موضع ہلال آ گئے۔ رات لوگوں نے ہر طرح کی ضیافتیں کھلائیں، وہاں کے سرکردہ مولوی محمد اکبر بھی آ گئے۔ کفار کی بہت کثرت تھی مگر ہم وہاں سے کوچ کر کے منگوٹہ آ گئے وہاں پر مریدین نے مال مویشی کو چارہ وغیرہ دیا اور ہماری بھی خاطر داری کی۔ کافی عرصہ وہاں رہ کر لاہ شریف واپس آ گئے۔ مکئی کی فصل تیار کر کے ایک گودام بھرا ہوا تھا، وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

تھنہ منڈی میں کفار نے باشمولیت عوام ایک بہت بڑا اجلاس مقرر کیا جس میں آئی جی پی درگا پرشاد بھی شامل ہوا۔ اس موقع پر مسٹر درگا پرشاد آئی جی پی نے عوام سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگ خوش ہو؟ اس پر سب نے کہا، ہاں صاحب! ہم بڑے خوش ہیں ہمیں ہر چیز مل رہی ہے۔ اس پر خاکسار کھڑا ہو گیا اور کہا کہ تم پر کوئی خوش نہیں، تم نے جو جو مظالم غریب عوام پر کیے ہیں وہ چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھے۔ سات سمندر کے پانی سے بھی بھارت کی چادر پر لگا یہ بدنما داغ نہیں دھل سکتا۔

وہاں پر ایک شخص مغل خاندان کا گجرات کا رہنے والا تھا۔ اس نے کہا کہ میری

بارہ لڑکیاں یہ لے گئے ہیں۔ چنانچہ مسٹر دُرگا پرشاد نے اپنی رپوٹیشن کو درست کرنے کے لیے اس کے ہمراہ ملٹری اور سی۔آر۔پی کے سپاہی لگائے اور وہ لڑکیاں واپس لائی گئیں۔ان بے چاریوں کے رنگ زرد تھے۔اس نے کہا پاکستان دو دفعہ ناکام ہو چکا ہے اس کی تردید کی گئی کہ یہ لڑکیاں جو حاضر ہوئیں، نمایاں طور پر مظالم اور بدعنوانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس طرح حضرت شورش جبالی علیہ الرحمہ نے اپنی کمال جرأت سے ریاستی پولیس کے سربراہ کو منہ توڑ جواب دیا اور لاجواب کر دیا۔(بحوالہ "گردشِ کشمیر")

جموں میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کا احیاء (1927):

جموں چونکہ لاہور اور سیالکوٹ کے قریب تر تھا اور پنجاب میں چلنے والی تحریکوں کے اہم مراکز لاہور اور سیالکوٹ تھے جموں کہ مردم خیز خطہ کے نوجوان پرنس آف ویلز کالج جموں کے بعد لاہور اور علی گڑھ کا رخ کرتے انہی میں چوہدری غلام عباس، قاضی گوہر الرحمٰن، شیخ مستری یعقوب علی (ر) جسٹس بشارت احمد شیخ کے دادا وغیرہ بھی شامل تھے چوہدری غلام عباس نے پرنس آف ویلز کالج جموں کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا تو مسلم لیگ سے متاثر ہونے کی بناء پر ایم ایس ایف میں سرگرم حصہ لیا۔گرفتار ہوئے بی۔اے کا نتیجہ جیل میں سنا۔علی گڑھ سے لاء کی ڈگری لی واپس جموں آئے شدھی کی تحریک میں غریب ناخواندہ مسلمانوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

چودھری غلام عباس نے 1927ء میں قاضی گوہر الرحمٰن، مستری یعقوب علی، شیخ عبدالحمید نظامی، غلام حیدر غوری، علامہ سید غلام حیدر شاہ (خطیب جامع مسجد جموں) اور دوسرے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور ترغیب دلائی کہ جموں اور گردونواح کے غریب اور بے سہارا مسلمانوں کی مدد کیلئے کام کیا جائے۔ جب ذہنی طور پر نوجوان اس کام کیلئے تیار

ہو گئے تو طے پایا کہ پرانی معطل شدہ غیر سیاسی تنظیم ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' کو بحال کیا جائے۔ تب یہ ایسوسی ایشن بحال ہوئی ابتداء میں اس کے دائرہ کار میں بے سہارا مسلمانوں کی امداد، غریب مسلمانوں کے کفن دفن کا اہتمام شامل تھا۔ آہستہ آہستہ سیالکوٹ، امرت سر اور لاہور سے علماء کو بلا کر مسلمانوں کی ذہنی و فکری بیداری پر کام کا آغاز کیا اور ''شدھی''، ''سنگھٹن'' جیسی مسلم کش تحاریک کے خلاف ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کے اسٹیج سے کافی کام کیا گیا۔

ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کا ریاست کے اندر پھیلاؤ:

مسلم ایسوسی ایشن کی کارکردگی کی خبریں صوبہ جموں کے دیگر اضلاع میں پہنچیں تو نوجوانوں کے چہرے کھل اٹھے۔ گھٹن کے ماحول سے نکل کر نوجوان آگے آنے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ راجوری سے مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء، ملک نعمت اللہ (مدفون راہ والی)، نکیال سے سردار فتح محمد خان کریلوی، سماہنی بھمبر سے راجہ بڈھا خان، ڈڈیال میرپور چوہدری طٰسین (والد محترم چوہدری مسعود خالد ایڈوکیٹ سابق وزیر حکومت آزاد کشمیر)، سید ولی شاہ مجاہد سرہن، شیخ نبی بخش نظامی، سردار غلام حسین، پلندری سے منشی فروز علی خان، باغ سے سید حسن شاہ گردیزی، مولانا عبداللہ کفل گڑھی، میرپور سے غازی الٰہی بخش (ارشد غازی کے والد) نے اس تنظیم میں نہ صرف شمولیت اختیار کی بلکہ اپنے اپنے علاقے میں اس تنظیم کے اسٹیج سے مسلمانوں کی ذہنی بیداری کیلئے بھرپور کردار ادا کیا۔

جموں میں توہینِ قرآن کے رُوح فرسا واقعات:

قدرت کاملہ جب کوئی کام انجام دینا چاہتی ہے تو غیب سے اس کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاست جموں و کشمیر کے حرماں نصیب مسلمانوں کی

دُعائیں سن لیں۔ جموں میں چودھری غلام عباس اور ان کے نوجوان ساتھیوں نے کافی حد تک لوگوں میں ذہنی وفکری بیداری پیدا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے جموں سے ہی تاریخی جدو جہد کے اسباب پیدا کر دیئے۔

30 جون 1930ء کو عید گاہ جموں میں مولانا غلام حیدر شاہ عید قرباں کا خطبہ دے رہے تھے جب انہوں نے خطبہ میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر چھیڑا تو باہر کھڑے ایک ہندو کانسٹیبل تولا رام نامی نے اونچی آواز سے کہا ''او ئے مولوی خطبہ بند کرو'' اس پر مجمع میں اشتعال پھیل گیا عید کی خوشی کے موقع پر ہندو کانسٹیبل کی بکواس پر مسلمان غصہ میں آ گئے شام تک شہر اور گردونواح میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی مسلمانوں نے سرگوشیوں میں اس کے ردعمل پر غور شروع کیا اس کے دو دن بعد سنٹرل جیل جموں میں ایک ہندو کانسٹیبل نے ایک مسلمان قیدی کا بستر اٹھا کر پھینک دیا اس میں پنج سورہ شریف تھا وہ باہر فرش پر آ گرا۔ یہ خبر جیل سے باہر پھیل گئی اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اس طرح قدرت نے غلامی کی زنجیریں کاٹنے کیلئے جموں کو اعزاز بخشا۔ مسلمان سراپائے احتجاج تھے۔ مگر احتجاج کے اظہار کیلئے کیا طریقہ کار اپنایا جائے؟ اس کے انتظار میں تھے۔

جموں سے پہلی تاریخ ساز جدوجہد کا آغاز:

چوہدری غلام عباس نے 5 جولائی 1930ء کو تالابِ کھٹیکاں میں مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ مسلمان اپنے سینوں میں غلامی کی گھٹن لیے جوق در جوق تالاب کھٹیکاں آئے۔ چودھری غلام عباس، اے۔ آر۔ ساغر اور قاضی گوہر الرحمن نے توہین اسلام کے ان واقعات کی شدید مذمت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا گیا ہے، سرکار اس کا فوری ازالہ

کرے اور توہین اسلام کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دے۔ قاضی گوہر الرحمن نے اعلان کیا ر اگ کار ایسا نہیں کرتی تو مسلمان ڈوگرہ سرکار کو معالیہ اور ٹیکس گھاس چرائی ادا نہ کریں۔ چودھری غلام عباس نے کہا ہم پوری ریاست میں پر امن احتجاج کریں گے یہ ہمارے دین کی توہین کا معاملہ ہے اس لیے اس پر احتجاج ہمارا دینی فریضہ ہے جب تک حکومت ذمہ داروں کو کڑی سزا نہیں دیتی ہمارا یہ احتجاج جاری رہے گا۔ جموں کے ان واقعات کی خبریں سینہ بہ سینہ ریاست کے دیگر اضلاع میں پہنچیں اور وادی کشمیر میں ان خبروں نے گویا آگ لگا دی۔ صوبہ جموں کے اضلاع میر پور، ریاسی، نوشہرہ، راجوری، راجدانی، پونچھ، باغ میں تحریک زور وشور سے شروع ہوگئی۔ 1931ء میں تحریک کامیاب ہوئی۔

جموں شہر میں تحریک آزادی کا آغاز کیسے ہوا؟

جموں شہر میں روزانہ جلوس نکلتے اے۔ آر ساغر روزانہ 20، 25 نوجوانوں کو لیکر آتے سب کو دائرے میں کھڑا کر کے درمیان میں لاہور سے نکلنے والے اخبارات انقلاب، روزنامہ احسان کے پرچے ہاتھوں میں لہرا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے رفتہ رفتہ تحریک زور وشور سے شروع ہوگئی اس دوران جناب اے۔ آر۔ ساغر گرفتار کر لیے گئے جدو جہد آزادی کشمیر میں یہ پہلی گرفتاری تھی ساغر صاحب کی گرفتاری نے تحریک آزادی کو تیز سے تیز تر کر دیا۔

صوبہ جموں کے دیگر علاقوں میں تحریک آزادی:

کوٹلی میں ٹیکس، گھاس کی چوکیاں قائم تھیں سردار فتح محمد خان کریلوی نے یہ چوکیاں اکھاڑ پھینکیں اور اعلان کیا کہ لوگ سرکار کو ٹیکس اور مالیہ ادا نہ کریں۔ یہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔ اس پر ڈوگرہ ملٹری کا ایک دستہ نکیال آیا سردار فتح

محمد حنان کریلوی ان کے والد سردار نواب علی خان نے علاقہ کے لوگوں کی مدد سے تین دن تک ملٹری کے لوگوں کو فتح پور (نکیال) میں داخل نہ ہونے دیا۔ سردار فتح محمد خان کریلوی پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ لاہور سے زین العابدین ایڈوکیٹ ان کے ساتھیوں نے یہ مقدمہ مفت لڑکر کریلوی صاحب کو بری کروایا کریلوی صاحب کے ساتھ سماہنی بھمبر کے راجہ بڈھا خان نے اہم کردار ادا کیا۔ راجہ بڈھا خان نماز ادا کر رہے تھے ان کو اسی حالت میں گرفتار کیا گیا اور ان کی آنکھیں نکال دی گئیں۔

راجوری میں تحریک آزادی کشمیر کے سرخیل مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء علیہ الرحمہ تھے۔ ان کے ہمراہ راجوری کے شیر دل رہنماء ملک نعمت اللہ (مدفون کشمیر کالونی، راہوالی، گوجرانوالہ) سید وہاب الدین شاہ (مدفون راول ڈیم، اسلام آباد) راجہ رسیلا اور سید احمد شاہ بھی تھے۔ مولوی حبیب اللہ شاہ تحریک پاکستان کے تجربہ کار نوجوان کارکن تھے، انہوں نے گول گلاب گڑھ اور راجوری کے گردونواح میں ڈوگرہ راج کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مولوی صاحب پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا اور پانچ ہزار روپے گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے۔ مولوی حبیب اللہ شاہ وہاں سے روپوش ہوکر بھدروہ کی طرف نکل گے اور کافی عرصہ وہاں رہے۔

میرپور میں غازی الٰہی بخش مرحوم ایک ہر دلعزیز عوامی رہنماء تھے۔ ہر لمحہ لوگوں کی تکالیف کے ازالہ کیلئے تیار رہے۔ میرپور میں عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک چلی تو غازی صاحب نے ایک تھانے دار کو تھپڑ رسید کیا، گرفتار ہوئے اور دو سال تک جیل میں گزارے۔ پونچھ کی تحصیل باغ کے علاقہ کفل گڑھ سے مولوی عبداللہ کفلی روزانہ ہاتھ میں ڈگڈگی لیے صبح سویرے گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ راستہ میں جہاں آبادی دیکھتے کھڑے ہوکر ڈگڈگی بجاتے۔ لوگ جمع ہوکر ان کے قریب آتے تو وہ یوں

گویا ہوتے:

اُٹھ ستیا کسانا جاگ تیرا لٹیا گیا گھر بار

مہنڈر کے علاقہ سربن ٹیکس گھاس چرائی کے خلاف تحریک کا آغاز:

مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کے کارکنوں سید ولی شاہ مجاہد، پیر سید جماعت علی شاہ، لال حسین بھٹی (شہید 1947ء) شیخ نبی بخش نظامی اور سردار غلام حسین سہوٹ نے مہنڈر کے علاقہ سربن میں ٹیکس گھاس چرائی کے خلاف تحریک زور و شور سے شروع کی۔ باڑی منگ کے تاریخی میدان میں سینکڑوں مسلمان جمع ہوئے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا۔ باڑی منگ کے ایک کونے پر ڈوگرہ ملٹری کا کیمپ تھا۔ ملٹری والوں نے کسی بھی احتجاج سے منع کرتے ہوئے پر امن رہنے کو کہا۔ مصنف کے والد محترم قاری سید ولائیت شاہ (مدفون لاہور موڑ، جہلم) نے اذان ظہر دی۔ علاقہ کے بزرگ سید محمود شاہ صاحب (مولوی سید محبوب شاہ صاحب مدفون منڈی کوٹلی کے چچا) نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد سید ولی شاہ مجاہد (حال مدفون انوار آباد چکوال) اُٹھے اور گرجدار آواز میں کہنے لگے ہمیں پر امن رہنے اور احتجاج نہ کرنے کو کہا گیا ہے حالانکہ جموں میں ایک نہیں دو بار ہمارے دین کی توہین کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ ہماری تحصیل کا نہیں بلکہ پوری ریاست کے مسلمانوں کے دین و ایمان کا مسئلہ ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دین اسلام کی توہین کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے ورنہ ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے اور احتجاج کا یہ سلسلہ گاؤں، گاؤں پھیلائیں گے۔

تحریکِ آزادی، وادیٔ کشمیر میں:

جموں میں توہینِ اسلام کی خبریں وادیٔ کشمیر میں پہنچیں تو وادی کشمیر میں بھی تحریک کا زور و شور سے آغاز ہوا۔ خانقاہ معلی سے روز جلوس نکلتے اور میر واعظ مولوی محمد

یوسف شاہ صاحب لوگوں سے خطاب کرتے ۔ اسی دوران رئیس الاحرار چودھری غلام عباس نے جموں کے ایک نوجوان عبدالمجید قریشی (قیوم قریشی کے والد گرامی) کو اشتہارات دے کر سرینگر بھیجا۔ قریشی صاحب رات کے وقت اشتہارات دیواروں پر چسپاں کر رہے تھے کہ گرفتار کر لیے گے۔ جناب اللہ رکھا ساغر صاحب کے بعد یہ دوسری گرفتاری تھی تاہم تحریک کا سلسلہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ بھی احتجاجی تحریک میں شامل ہو گئے:

تحریک آزادی کشمیر اپنے جوبن پر تھی کہ شیخ محمد عبداللہ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ شیخ صاحب سکول ماسٹر تھے ۔ قدرتی طور پر سریلی آواز اور بلا کے مقرر تھے ۔ قدرت نے شیخ محمد عبداللہ کو لحن داؤدی سے نواز رکھا تھا چنانچہ جب تلاوت کرتے یا نعت شریف پڑھتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ شیخ صاحب سکول ماسٹری سے استعفیٰ دے کر خانقاہ معلیٰ آئے تو میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ صاحب نے شیخ صاحب کا ہاتھ بلند کر کے لوگوں سے کہا کہ آج سے یہ نوجوان ماسٹر عبداللہ آپ کی رہنمائی کرے گا۔ یوں شیخ محمد عبداللہ تحریکِ آزادی میں شامل ہوئے اور چھا گے۔

13 جولائی 1931ء کو بائیس نوجوانوں کی شہادت:

میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ نے باہمی مشورہ کیا کہ ایک بڑا جلسہ عام منعقد کیا جائے اور اس میں شرکت کیلئے جموں سے چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھیوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس جلسہ عام میں شرکت کیلئے چودھری غلام عباس اور شیخ عبدالحمید سری نگر پہنچ گے تاہم ڈوگرہ حکومت نے چوہدری صاحب اور شیخ عبدالحمید کو راتوں رات گرفتار کر لیا دوسرے دن صبح سویرے شیخ محمد عبداللہ، عبدالرحیم درانی اور غلام نبی گلکار بھی گرفتار کر لئے گے۔ ان رہنماؤں کی گرفتاریوں نے

مسلمانوں کے جوش و خروش میں اضافہ کر دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ اس جلسہ کی کارروائی جاری تھی کہ اچانک ایک اجنبی نوجوان سٹیج پر آیا اور پر جوش انداز میں کہنے لگا، جموں میں ہمارے دین کی توہین کی گئی، ہم کیسے اس کو برداشت کریں؟ آؤ اور اس حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادو۔

عبدالقدیر کی گرفتاری اور جیل کے اندر مقدمہ:

اس نوجوان کا نام عبدالقدیر تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ کسی غیر ملکی سیاح کے ہمراہ افغانستان کے راستے سری نگر آیا تھا۔ حکومت نے عبدالقدیر کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل سری نگر میں پہنچا دیا اور خطرہ نقص امن کے پیش نظر اس کے مقدمہ کی کارروائی جیل کے اندر شروع ہوئی۔

دوسری طرف ایک صدی کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کیلئے مسلمان بے تاب تھے۔ حکومت اس سے بوکھلا گئی۔ عبدالقدیر کے خلاف مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی ہزاروں نوجوان جیل کے اندر جانے کیلئے دوڑ آئے۔ بڑا گیٹ بند تھا۔ نوجوان گیٹ کو پھلانگنے کیلئے اوپر چڑھنے لگے تو ڈوگرہ ملٹری نے فائر کھول دیا اور بائیس نوجوان چھاتیوں پر گولیاں کھا کر تڑپنے لگے۔ سب کی چھاتیوں پر گولیاں لگیں۔ ایک نوجوان نے شیخ عبداللہ کا نام لیکر کہا شیخ صاحب! یاد رکھنا ہم یہاں کام آ گئے، آگے تمہارا کام ہے۔ اس طرح ریاست میں ایک نہ تھمنے والا طوفان کھڑا ہو گیا۔

تحریک آزادئ کشمیر میں احرار کے رضا کاروں کی شرکت:

تحریک آزادی کشمیر ایسے وقت میں شروع ہو گئی جب قادیان (مشرقی پنجاب) سے نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ زوروں پر تھا۔ برصغیر کے نامور خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار کے دیگر شعلہ نواء مقررین

اور خطیبوں کی ٹیم کے ساتھ ہر جگہ قادیانی فتنہ کے پرخچے اڑا رہے تھے۔ انگریز پوری طرح اپنے خود کاشتہ فتنے یعنی قادیانیوں کے اپنی پوری ریاستی طاقت کے ساتھ پشتیبان تھے۔ ریاست جموں وکشمیر میں آزادی کی تحریک چلی تو مجلسِ احرار کے رضا کاروں نے اس میں بھر پور شرکت کی۔ احرار کے رضا کار لاہور، امرتسر اور سیالکوٹ سے سرخ ٹوپیاں پہن کر جموں پہنچتے اور گرفتاریاں دیتے۔ اس طرح مجلس احرار کے ریاست جموں وکشمیر کی آزادی کی تحریک میں شرکت نے دوقومی نظریے کی افادیت اجاگر کی۔

علامہ سید محمد حبیبُ اللہ شاہؒ کا دینی علوم کیلئے سفر:

علامہ محمد حبیب اللہ شاہ کے والد گرامی حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ ایک صاحب کمال ولی کامل تھے۔ غلامی کے اس دور میں آپ کا آستانہ فیوض وبرکات کا سرچشمہ تھا۔ درس وتدریس کا اعلیٰ انتظام تھا۔ بیرون کشمیر سے علما حضرات کو بلا کر تعلیم و تربیت سے بچوں کی ذہنی وفکری بیداری کی جاتی۔ لنگر کا وسیع انتظام ہوتا۔ ایک پر کیف ماحول تھا۔ علامہ سید محمد حبیبُ اللہ شاہؒ اس ماحول میں پروان چڑھے۔ حصول علم کی تڑپ پیدا ہوئی تو 1921ء کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ دہلی پہنچے اور وہاں سے بمبئی اور پھر ڈیرہ دُون پہنچے جہاں مفتی ضیاء الدینؒ کے مدرسہ غوثیہ میں تقریبا دوسال تک ابتدائی کتب پڑھیں، پھر گھر واپس آ گئے۔ اس کے بعد 1928 میں دوبارہ حصول تعلیم کے لیے بھمبر کے راستے جہلم سے ہوتے ہوئے چکوال پہنچے اور موضع چاول کر سال کے بعد سید کسراں پہنچے جہاں آپ کے جد اعلیٰ حضرت شاہ غالب کاظمیؒ کا مزار ہے۔ سید کسراں سادات کاظمیہ کا مرکز ہے۔ یہاں تعلیم سے فارغ ہوئے تو گولڑہ شریف پہنچے اور تاجدار گولڑہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ سے کسب فیض کیا اور وہیں دارالعلوم میں داخل ہو گئے۔ حضرت صاحبزادہ والاشان پیر غلام محی الدین عرف حضرت بابو جیؒ آپ کے ہم

درس تھے۔ آپؒ ایک سال تک وہاں زیر تعلیم رہے۔ پھر علاقہ ہزارہ کا رُخ کرلیا اور مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ سے ملاقات کی وہاں سے ہری پور آئے اور دارالعلوم رحمانیہ میں داخلہ لے لیا۔ مصنف کے والد محترم حضرت سید ولایت شاہ کاظمیؒ پہلے ہی وہاں زیر تعلیم تھے۔

یہ دور برصغیر میں تحریک آزادئ ہند کا دور تھا۔ مولانا محمد علی جوہرؔ اور مولانا شوکت علی تحریک خلافت کا جھنڈا بلند کیے ہوئے تھے۔ پنجاب میں امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ تحریکِ خلافت کے سرخیل تھے۔ دوسری جانب نبوّت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف مجلسِ احرار کی برپا کردہ تحریکِ ختم نبوّت بھی اپنے جوبن پر تھی۔ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں علماء اور مقررین کی ایک ایسی ٹیم ہمہ وقت سرگرم عمل تھی جو ہر جگہ قادیانیت کا پیچھا کر رہی تھی۔ جموں سے جناب اے۔ آر ساغرؔ اور کھوئی رٹہ سے نومسلم غازی عبدالرحمٰن مجلس احرار کے سرگرم کارکن تھے۔ ان تمام تحریکوں کا مرکز پنجاب کا دارالخلافہ لاہور تھا۔

مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے دامن میں دارلعلوم جامعہ حزب الاحناف میں داخلہ لیا۔ جس کے ناظم اعلیٰ حضرت علامہ پیر سید دیدار علی شاہؒ تھے۔ مولوی صاحبؒ نے سات سال تک علامہ سید دیدار علی شاہؒ سے درس نظامی حاصل کیا۔ لاہور میں قیام کے دوران برصغیر کے چوٹی کے اکابرین کو سننے اور جلسے جلوسوں میں شرکت کا موقعہ ملا۔ خصوصاً آپ تحریک خلافت کے جلسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ یوں تحریکِ پاکستان کے کارکنوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسوں میں مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی بھی شریک ہوتے اور کھوئی رٹہ کے

چوہدری محمد تاج کرجاہی بھی کبھی ان جلسوں میں شریک ہوتے۔ ان سے مولوی صاحب کا تعارف انھیں جلسوں کے دوران ہوا۔ 1939ء میں درس نظامی کی سند جامعہ حزب الاحناف لاہور سے بدست حضرت علامہ پیر سید دیدار علی شاہؒ حاصل کی۔ حضرت پیر سید دیدار علی شاہؒ لاہور کی تاریخی مسجد وزیر خان کے خطیب اور تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما پیر سید ابوالحسنات قادری کے والد گرامی تھے۔ آپؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادریؒ مفتی اعظم ہوئے۔ اس ماحول میں حضرت مولوی سید محمد حبیب اللہ شاہؒ نے تعلیم حاصل کی جوان کی زندگی کے کارہائے نمایاں میں سونے پر سہاگے کا کام دیتی رہی۔ آپ اعلیٰ پایہ کے مناظر تھے۔ جس دور میں لاہور میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔

مولوی حبیبُ اللہ شاہ ضیاء کی بھدرواہ سے لاہور کیلئے روانگی:

جب راجوری میں تحریک آزادی کشمیر میں اہم کردار کی بناء پر مولوی حبیب اللہ شاہؒ کی گرفتاری کے وارنٹ گرفتاری اور پر پانچ ہزار روپے انعام مقرر ہوا۔ تو مولوی صاحب بچ کر بھدرواہ سے بھلیس چلے گے جسے پلالی کشمیر کہا جاتا تھا۔ جہاں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کے مریدوں کی بڑی تعداد تھی۔ سری نگر سنٹرل جیل کے احاطہ میں بائیس جوانوں کی شہادت کی خبر سن کر مولوی صاحبؒ نے پنجاب جانے کا پروگرام بنایا۔ بھمبر کے راستہ گجرات اور پھر وزیر آباد پہنچے، جہاں تحریک ختم نبوت میں ان کے ساتھی غازی عبدالرحمٰن (کھوئی رٹہ والے) موجود تھے۔ ان سے ملے اور لاہور جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

گلینسی کمیشن کی کشمیر آمد کا پس منظر:

غازی عبدالرحمٰن اور مولوی صاحب لاہور پہنچے اور مجلس احرار کے امیر میاں

فضل حق صاحب سے ملے اور کشمیر کے حالات خصوصاً سنٹرل جیل سری نگر میں بائیس جوانوں کی شہادت اور بے گناہ مسلمانوں کی ڈوگرہ پولیس کے ہاتھوں دھڑا دھڑ گرفتاریوں پر بریفنگ دی۔ میاں صاحب ان کو حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے پاس لے گئے اور کشمیر کے تمام حالات اور نوجوانوں کی شہادت پر بات کی۔ علامہ نے وائسرے ہند کو خط لکھا اور کشمیر میں اصلاحِ احوال کا مطالبہ کیا۔ اس پر وائسرائے ہند نے لارڈ گلینسی کی قیادت میں کشمیر میں کمیشن بھیجا۔ جس کے دیگر ارکان میں مسٹر کے۔ ایم لاتھر اور مسٹر ویکفیلڈ شامل تھے۔ تحریک آزادی کشمیر کا گم شدہ باب ہے۔ یہ تاریخی حقائق ہیں کہ گلینسی کمیشن کی کشمیر آمد کا حقیقی پس منظر کیا ہے؟ یہ کمیشن سری نگر پہنچا۔ جموں کی طرف سے چودھری غلام عباس، وادی کشمیر کی طرف سے غلام احمد عشائی ایڈوکیٹ اور غیر مسلم آبادی کی طرف سے پنڈت جیالال کلم ایڈوکیٹ اس کمیشن کے ارکان لئے گے جنہوں نے تمام لوگوں سے ملکر حالات کا جائزہ لے کر کمیشن نے جو سفارشات مرتب کر کے وائسرائے ہند کو بھیجیں جن کی روشنی مین ریاست میں سیاسی سرگرمیوں کی بحالی، پریس اینڈ پبلک ریفارم کی بحالی کا فیصلہ ہوا اور 24,23,22 اکتوبر 1932 کو ریاست کی اوّلین تاریخ ساز تنظیم آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل مین لایا گیا۔

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے ابتدائی عہدیداران:

مذکورہ بالا سطور میں تاریخ کے گم شدہ باب سے پردہ اٹھایا گیا۔ یہ تاریخ کے حقائق ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر میں کمیشن کی آمد حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی وائسرائے ہند کو بذریعہ خط توجہ دلانے کی بناء پر ہوئی اور حضرت علامہ اقبالؒ نے یہ خط مجلس احرار کے امیر میاں افضل حقؒ کے مشورہ پر لکھا۔ جب مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ رحمہ اللہ سری نگر سنٹرل جیل کے احاطہ میں بائیس نوجوانوں کی شہادت کا دردناک واقعہ بیان کر اتو



تحریک آزادی کشمیر کے ممتاز بانی رہنما

مولانا حاجی سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ (شورش جبالی)

وانگت لار شریف میں معروف روحانی پیشوا حضرت میاں بشیر احمد لاروی مدظلہ سے مصنف آغا حسین مغموؔم کے شرفِ ملاقات کا ایک یادگار منظر

دورۂ مقبوضہ کشمیر کے دوران مصنف درگاہ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ (راجوری) میں کشمیر اسمبلی کے سابق سپیکر مرزا رشید احمد صاحب کے ہمراہ

حضرت علامہ اقبالؒ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اس وضاحت سے یقیناً ان نازک مزاج حضرات کے ماتھے پر شکنیں پڑیں گی جو اپنے بغیر تاریخ میں کسی دوسرے کا ذکر سننے کے روادار نہیں، تاہم امر واقعہ ہے اس تین رکنی کمیشن کی سفارشات پر جو جموں وکشمیر پریس اینڈ پبلک ریفارم کا فیصلہ ہوا تب ریاست میں پہلی تاریخ ساز تنظیم آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے نام سے قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے قیام سے سری نگر میں ایک شاندار جلوس نکالا گیا جس کی قیادت میر واعظ کشمیر مولوی محمد یوسف شاہ صاحب رئیس اور چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ نے کی۔ جلوس میں خواجہ عبدالسلام، بخشی غلام محمد اے آر ساغر، سردار گوہرالرحمٰن خان، سردار فتح محمد خان کریلوی، شیخ عبدالمجید بھی شامل تھے۔ جلوس کے آگے چکار کے راجہ محمد حیدر خان (راجہ فاروق حیدر خان کے والد) اور راجہ عبدالحمید خان (جاگیردار پرسچہ) بینر اٹھائے چل رہے تھے۔ راجہ حیدر خان محکمہ جنگلات سے رینجر کے عہدہ سے مستعفی ہو کر آئے تھے، چنانچہ یہ جلوس سری نگر کی مشہور جامع مسجد (پتھر والی) میں پہنچا۔ 24,23,22 کو پتھر مسجد سری نگر میں تنظیمی اجلاس ہوا، جس میں اتفاق رائے سے ابتدائی طور پر یہ عہدیداران چنے گئے۔

صدر: شیخ محمد عبداللہ، سیکرٹری جنرل: چودھری غلام عباس، ویلی کی طرف سے بخشی غلام محمد اور جموں کی جانب سے سردار فتح محمد خان کریلوی کو ابتدائی طور پر سالار منتخب کیا گیا۔ بعد میں عہدے تبدیل ہوتے رہے۔

(تین سال قبل مصنف اور سردار فاروق سکندر دورہ پر مینڈھر، سرہن کوٹ، جموں ہوتے ہوئے لار شریف گئے۔ دربار عالیہ وانگت لار شریف پر حاضری دی وہاں دربار عالیہ کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ والا شاہ میاں بشیر احمد نظامی نے ریکارڈ کی روشنی میں مندرجہ بالا حقائق بتائے۔)

ریاستی تاریخ کا اہم موڑ:

جب ڈوگرہ حکمرانوں کی غلامی کی سو سالہ زنجیریں کٹیں یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا جس نے ڈوگرہ حکمرانوں کے ایوانوں میں لرزہ طاری کردیا۔ یہ عظیم کامیابی جموں وکشمیر کے مسلمانوں کی متحدہ قوت سے ہی عمل پذیر ہوئی جب صوبہ جموں اور وادی کشمیر کے مسلمانوں نے ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر جدوجہد آزادی کشمیر کیلئے تاریخ ساز تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں ریاست کے مسلمانوں کو رئیس الاحرار اور چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کی مؤثر قیادت ملی اس کے نتیجہ میں جموں سے لیکر راجدانی پونچھ، گلگت کے آخری کونہ سے لیکر وادی کشمیر سے آگے ہمالیہ کے دامن میں مسلمان بیک آواز تھے آؤ مسلم کانفرنس کی باتیں کریں۔

مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کیلئے سازش کا آغاز:

1934ء کو ریاست میں پہلے اسمبلی انتخابات منعقد ہوئے تو آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے 21 میں سے 19 نشستیں جیت لیں۔ اس کی اصل وجہ جدوجہد آزادی کشمیر کے حرماں نصیب مسلمانوں کی متحدہ جدوجہد تھی۔ جس کے نتیجہ میں ریاستی مسلمانوں کو چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کی مؤثر قیادت میسر آئی۔ آل انڈیا کانگریس کے بڑے بوڑھوں کا ماتھا ٹھنکا کہ ریاست ان کے ہاتھ سے گئی چنانچہ انہوں نے کوٹلیہ چانکیہ کی سیاست کی چال چلی اور نیشنل ازم کے زہر کے ذریعہ ریاست میں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے گہری سازش کا آغاز کردیا۔

گوپالا سوامی آہنگر کی بطور وزیر اعظم تقرری:

آل انڈیا کانگریس نے مدارس کے ایک متعصب ہندو ڈپلومیٹ سر گوپالا

سوامی آہنگر کو 1937ء میں ریاست جموں وکشمیر کا وزیر اعظم بنا کر بھیجا۔ اس دور میں ریاست میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس مہاراجہ سے ''ذمہ دارانہ نظام حکومت'' کا مطالبہ کر رہی تھی۔ گوپالا جی نے آتے ہی شیخ محمد عبداللہ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ لوگ مہاراجہ سے ذمہ دارانہ نظام حکومت کا جو مطالبہ کرتے ہیں اس میں بڑا وزن ہے اور آپ کا یہ مطالبہ جائز ہے مگر مہاراجہ مطالبہ کو تب مانے گا جب ریاست کے تمام باشندے مل کر یہ مطالبہ کریں گے اور اس میں دشواری یہ ہے آپ لوگوں نے اپنی جماعت کا نام مسلم کانفرنس رکھا ہوا ہے جو غیر مسلموں کیلئے قابل قبول نہیں۔ لہٰذا اگر آپ مہاراجہ سے اپنا مطالبہ منوانا چاہتے ہیں تو اپنی جماعت کا ایسا نام تجویز کریں جو سب کیلئے قابل قبول ہو اس سے ایک تو مہاراجہ پر دباؤ بڑھے گا، دوسرے ریاست میں تمام طبقوں کے درمیان ہم آہنگی ہوگی۔''

شیخ محمد عبداللہ نیشنلزم کے جال میں پھنس گئے:

کانگرس کی جانب سے مامور کیے گئے متعصب ہندو وزیر اعظم کی یہ تجویز شیخ محمد عبداللہ کے لیے ''امکانات'' کے کئی در وا کر گئی۔ شیخ محمد عبداللہ جو پہلے ہی نہرو خاندان سے متاثر تھے وہ گوپالا سوامی کے جال میں برضا و رغبت ''پھنس'' گے۔ یہ ابتداء تھی ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی جس کی پختہ اینٹ گوپالا سوامی نے نہایت ہوشیاری سے رکھی۔ ریاست میں دوقومی نظریہ کے خلاف یہ کانگریس کی پہلی کامیاب سازش تھی جس نے آگے چل کر ریاستی مسلمانوں کے اتحاد کو جو دوقومی نظریہ کی بنیاد پر نہایت محکم و مستحکم تھا، کاری نقصان پہنچایا۔

مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس نیشنل ازم کی لپیٹ میں:

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا چھٹا اجلاس اسلامیہ کالج سول لائن جموں کے

گراؤنڈ میں شروع ہوا۔ حسن اتفاق کہ اجلاس کے انعقاد سے پہلے ہی چودھری غلام عباس شدید بیمار ہو گئے اور اپنے ہی شہر میں منعقدہ اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ نہایت بھرپور اور شاندار اجلاس تھا۔ مہاراجہ اور گوپالا سوامی (وزیر اعظم کشمیر) نے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اس اجلاس کا نظارہ کیا۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ نیشنل ازم کا وار کیسے کارگر ہوا۔ 1938ء کو اجلاس شروع ہوا۔ چوہدری غلام عباس کی غیر حاضری کا موقع غنیمت جان کر بخشی غلام محمد نے کرسی صدارت کی طرف سے مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کرنے کی قرارداد پیش کی۔ جس پر صوبہ جموں کے کارکنوں نے شدید مخالفت کی۔ شوروغل ہوا۔

آخر کار جناب اے۔ آر ساغر سٹیج پر آئے۔ انہوں نے کہا ایک تو ہمارے لیڈر چودھری غلام عباس اجلاس میں موجود نہیں دوسرے یہ تجویز اچانک سامنے آئی ہے اور کارکنوں کو اس پر غوروفکر کا وقت نہیں ملا تاکہ ہم اس پر اپنا ردعمل، اپنی رائے دے سکیں۔ انہوں نے تجویز پیش کی جماعت کا نام بدلنے کی تجویز آئندہ سالانہ اجلاس تک ملتوی رکھی جائے تاکہ ہم اس پر غوروفکر کر سکیں۔ اس پر اتفاق کرتے ہوئے اس قرارداد کو آئندہ اجلاس کیلئے معرض التوا میں رکھ دیا گیا۔ یوں ریاست میں نیشنل ازم کا زہر سرائیت کر گیا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس کا نام دے دیا گیا:

10 جون 1939ء کو سری نگر میں غلام محمد صادق (جی۔ ایم صادق) کی صدارت میں مسلم کانفرنس کا ساتواں سالانہ شروع ہوا۔ جموں سے چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھی کارکنوں کے اجلاس میں پہنچنے سے پہلے ہی جماعت کا نام تبدیل کرنے کی قرارداد پیش ہو گئی اور اس پر تبصرے، تقاریر کا آغاز ہو گیا۔ مشہور مؤرخ پنڈت پریم

ناتھ بزاز لکھتے ہیں کہ:

"قرار داد پر بحث جاری تھی کہ چوہدری غلام عباس اجلاس میں آئے اور انہوں نے اس قرار داد پر سخت الفاظ میں تنقید کی اور فرقہ بندی پر مبنی تقریر کی۔ آخر کار شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کے درمیان ہم آہنگی ہوئی۔ چودھری صاحب نے ریاست کے مسلمانوں کے اتحاد کے ٹوٹنے کے خدشہ کے پیش نظر یہ تحریری شرائط پیش کیں۔

(۱) نیشنل کانفرنس برصغیر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے فیصلوں کی مخالفت اور کانگریس کے پروگرام کی حمایت نہ کریگی۔

(۲)۔ نیشنل کانفرنس ریاست میں گاؤکشی کے ظالمانہ قانون کے خلاف جدوجہد کرے گی۔

(۳)۔ ریاست میں تمام اداروں میں جداگانہ طرز حکومت کی حمائت کی جائے گی۔
کچھ اور شرائط اور بھی تھیں۔

یہ شرائط کنونشن میں بھی پڑھ کر سنائی گئیں۔ اجلاس نے ان شرائط کی تائید کی۔ تب چودھری غلام عباس نے اتحاد قائم رکھنے کیلئے ان شرائط پر نیشنل کانفرنس کی حمائت میں کڑوے گھونٹ پیے۔ ان شرائط پر غور کریں یہ شرائط واضح طور پر دوقومی نظریے کی عکاس تھیں۔"

مسلم کانفرنس کے بعض رہنماؤں نے نیشنل کانفرنس کو قبول نہ کیا:

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے بعض سنیئر رہنماؤں نے نیشنل کانفرنس کو قبول نہ کیا۔ ان میں سردار فتح محمد کریلوی بھی شامل ہیں۔ سردار سکندر حیات خان اپنی تقریر میں برملا کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے نیشنل کانفرنس کو قبول نہ کیا جبکہ خود چودھری

صاحب نے نیشنل کانفرنس کو قبول کرلیا۔ انہوں نے شائد چودھری غلام عباس کی پیش کردہ شرائط کو پڑھا ہی نہیں۔ انہیں پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں اس لیئے کہ وہ تاریخ میں اپنے بغیر کسی دوسرے کا نام دیکھنے کے روادار ہی نہیں۔

سید عبداللہ شاہ آزاد اور اسحاق قریشی نے اسٹیٹ مسلم لیگ کا پرچم بلند کیا:

مسلم کانفرنس کے سنیئر رہنماؤں سید محمد عبداللہ شاہ آزاد اور پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے نہ صرف مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا فیصلہ قبول نہ کیا بلکہ انہوں نے اسٹیٹ مسلم لیگ کے نام سے نئی جماعت بنائی اور ان کارکنوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کیا۔ جو جماعت کا نام بدلنے کے فیصلہ سے ناخوش تھے۔ یہ تمام کارروائی اے۔آر۔ ساغر کے ہفت روزہ ''جاوید'' جموں اور چوہدری عبداللہ بھلی کے ہفت روزہ ''کسان'' جموں کی متعلقہ جلدوں میں محفوظ ہے۔ ہفت روزہ جاوید جموں میں سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے گرانقدر کارناموں کا ریکارڈ پروفیسر بشیر حسین جعفری کے پاس محفوظ ہے۔ جعفری صاحب نے خود مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اور ریکارڈ دکھانے کیلیئے اپنے قلعہ نما بنگلے پر بلایا۔ مگر جب میں نے ان سے شکوہ کیا کہ سردار عتیق احمد خان نے ایک تاریخی جماعت مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم کردی تو ان کے چہرے کا رنگ بدلا اور وہ ہفت روز جاوید جموں کے پرچے دکھانے سے بہانہ سازی کے ساتھ مکر گے۔

شیخ محمد عبداللہ وعدے پر قائم نہ رہ سکے:

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس کا لبادہ تو اوڑھا دیا گیا مگر شیخ محمد عبداللہ شرائط پر قائم نہ رہ سکے جو چوہدری صاحب نے تحریری طور پر پیش کیں تھیں شیخ صاحب امرت سر میں ریاستوں کے اجلاس سے واپس سری نگر آئے تو بادامی باغ میں سردار بدھ سنگھ اور پنڈت جیالال کلم کے ہمراہ جلسہ عام سے خطاب کے دوران آل انڈیا کانگریس کی ستیہ گرہ کی حمائت کا اعلان کردیا۔ یہاں سے چوہدری صاحب اور شیخ

محمد عبداللہ کے راستے جدا ہو گے۔ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہونا شروع ہو گیا اس طرح مسئلہ کشمیر کے حل نہ ہونے کی تمام تر ذمہ داری شیخ محمد عبداللہ پر عائد ہوتی ہے۔

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا احیاء:

شیخ محمد عبداللہ کی اس کلا بازی نے چودھری غلام عباس کو بے حد مایوس کر دیا انہوں نے ریاست کے طول و عرض کے دورے کیے ساتھیوں اور کارکنوں کو اعتماد میں لیا اور فروری 1942ء کو آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا احیاء کیا یہاں سے چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کے راستے جدا ہو گے ریاست جموں و کشمیر کے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گے اور جدوجہد آزادی کشمیر کو ایسا نا قابل تلافی نقصان پہنچا کہ آج تک مسلمانانِ ریاست سنبھل نہیں سکے۔

23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں شرکت:

دارلعلوم حزب الاحناف میں قیام کے چھ سالوں کے دوران لاہور میں تحریک آزادیٔ ہند کے چوٹی کے رہنماؤں مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا شوکت علی کو سننے کا کئی بار موقع میسر آیا۔ امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ علی پور سیداں کی تحریک خلافت، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلسِ احرار کی نگرانی میں تحریکِ ختم نبوت کے جلسوں میں شرکت کا موقع میسر آیا۔ پھر ان کو علامہ سید ابوالحسنات سید احمدؒ کی صحبت میسر آئی۔ یوں اس عرصہ میں ایک پختہ کار سیاسی اور مذہبی کارکن بن کر ابھرے۔ اِدھر دینی تعلیم مکمل کی اُدھر عین اس وقت لاہور کے منٹو پارک میں 23 مارچ 1940ء کو حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں قرارداد مقاصد پاس کرتے ہوئے برصغیر میں ایک نئی مملکت پاکستان کو اپنی منزل قرار دیا گیا۔

سید محمد عبداللہ شاہ آزادؒ کی مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت:

لاہور میں قرارداد مقاصد کیلئے جب آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس اور قائد اعظم کی آمد کا پروگرام طے ہوا تو مولانا حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ نے اپنے برادر صغیر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کو اس اہم اجلاس میں شرکت کیلئے تار کے ذریعہ اطلاع دی۔ حضرت آزاد اپنے ساتھیوں مفتی وہاب الدین شاہ (مدفون راول ڈیم) اور سید احمد شاہ کے ہمراہ لاہور پہنچے اور اس تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ پونچھ سے مولنٰا غلام حیدر خان جنڈالوی، سردار فتح محمد خان کریلوی اور سردار دوست محمد بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ مولنٰا غلام حیدر جنڈالوی کو اس اجلاس میں تقریر کا موقعہ بھی ملا۔ یہ حقائق ہیں تاریخ کے اوراق میں یہاں لوگوں نے اصل حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے جھنڈوں کا مقابلہ:

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے نشاط ثانیہ کے بعد ریاست شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ محمد یوسف شاہ صاحب کے حامیوں کے درمیان جھگڑے شروع ہوئے۔ ان کو شیر اور بکری کا نام دیا جاتا۔ 1942ء، 1943ء میں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان جھنڈوں کا مقابلہ جاری ہوا نیشنل کانفرنس والے پکارتے:

آؤ دیکھو کشمیر کا جھنڈا

ہل والے دلگیر کا جھنڈا

طفل، جوان و پیر کا جھنڈا

یہ ہے شیر کشمیر کا جھنڈا

مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ نیشنل ازم کے خلاف ایک برہنہ تلوار تھے اور ایک قادر الکلام شاعر نیشنل کانفرنس کا جواب دیتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کا پرچم

ایک ابرِ رحمت ہے، سبز ہلالی پرچم ایک ملت کا پرچم ہے، کہتے ہیں۔

ابرِ رحمت، آسمانی اوج کا جھنڈا ہے تو

رحمۃ العالمین کی فوج کا جھنڈا ہے تو

آؤ مسلم کانفرنس کے پرچار کی باتیں کریں

کیا غرض ہے نیشنل بدکار کی باتیں کریں

.... ذرا غور کریں یہ آج سے پون صدی پہلے کی بات ہے۔ آج مسلم کانفرنس اور تحریک آزادی کشمیر کے دعوے داروں کو شرم آنی چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ مسلم کانفرنس کے دو قومی نظریے کی بنیاد پر آبیاری کرنے والے کون عظیم لوگ تھے جنہوں نے حقیقت میں تاریخ رقم کی؟

شیخ محمد عبداللہ راجوری کے جلسہ عام میں زخمی ہوئے:

مارچ 1942ء کو خواجہ عبدالعزیز شال المعروف عزیزہ شال کی دعوت پر شیخ عبداللہ راجوری میں نیشنل کانفرنس کی تنظیم کیلئے آئے۔ جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ چوہدری غلام عباس، اے آر ساغر نیشنل کانفرنس سے علیحدہ ہو گئے ہیں للہذا وہ غدار ہیں۔ اس پر مولوی محمد حبیب اللہ شاہؒ کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا ان کی موجودگی میں اس طرح کی غلط بیانی کی جائے اور وہ خاموش رہیں، چنانچہ انہوں نے چٹ لکھی کہ سالانہ جلسہ میں طے شدہ شرائط کو تم نے توڑا ہے۔ آل انڈیا کانگریس کی حمایت تم نے کی ہے، مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ، پارہ تم نے کیا اس لئے غدار وہ نہیں، تم ہو۔

مولوی صاحب نے یہ چٹ ایک نوجوان مرزا اللہ داد برادر صغیر مرزا ایم اے لطیف خان (مدفون جہلم) کو دیکر کر سٹیج پر بھیجا۔ مرزا اللہ داد نے وہ چٹ شیخ صاحب کے ہاتھ میں دی۔ شیخ صاحب جلالی طبیعت کے مالک تھے، تقریر چھوڑی نیچے آئے، مرزا

اللہ داد کو گریبان سے پکڑا، مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ حضرت شورشِ جبالی نے پیر سید احمد شاہ صاحب نمبردار آف موضع کھنکڑی (حال مدفون مندرہ) سے کہا ہمت کرو۔ مرحوم بڑی دبنگ شخصیت کے مالک تھے اور ہر وقت اپنے پاس ایک بڑا کھونڈا سفر وحضر میں رکھتے تھے... انہوں نے شیخ صاحب کے سر پر اسی کھونڈے کا زوردار وار کیا۔ شیخ صاحب زخمی ہو کر سیدھے ریسٹ ہاؤس راجوری چلے گے۔ عزیزہ شال کے ہمراہ مرزا فقیر محمد بھی اظہارِ ہمدردی کیلئے ڈاک بنگلہ گئے اور شیخ صاحب سے کہا کہ ہمارا اس گڑبڑ میں کوئی قصور نہیں، یہ سب کارروائی مولوی حبیب اللہ شاہ ضیاؔ اور سید عبداللہ شاہ آزادؔ نے کروائی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کا استقبال اور سید شاہ جنید نسیم کی خیر مقدمی تقریر:

دوسرے روز شیخ صاحب لاہ شریف سے گزر کر آگے گئے جہاں نیشنل کانفرنس کا جلسہ عام تھا۔ لاہ شریف میں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ رحمہ اللہ کے پر شکوہ بنگلہ کو دیکھ کر پوچھا یہ کس کا بنگلہ ہے؟ شیخ صاحب کو بتایا گیا کہ یہ محمد عبداللہ شاہ آزادؔ کے والدِ محترم کا بنگلہ ہے تو شیخ صاحب مسکرائے اور کہنے لگے آج میری تقریر کا عنوان یہ بنگلہ ہوگا۔ تاہم انہیں لوگوں نے خبردار کیا ہرگز ایسا نہ کرنا اس لئے کہ یہ تمام علاقہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ کے مریدین کا ہے۔ وہ ہرگز یہ برداشت نہ کریں گے، تب شیخ صاحب نے ارادہ بدل لیا۔ جلسہ گاہ کے مقام پر بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ استقبالی ہجوم سے سید محمد عبداللہ شاہ، آزادؔ کے برادرِ صغیر اور ممتاز شاعر سید جنید شاہ نسیمؔ نے خطاب کرتے ہوئے شیخ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا شیخ صاحب! ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ تاہم یہ استقبال نیشنل کانفرنس کے سربراہ کا نہیں، بلکہ ایک مسلمان رہنماء کا ہے ورنہ یہ بات تو آپ بھی اچھی طرح جانتے

ہیں کہ یہ علاقہ مسلم کانفرنس کا گڑھ اور رئیس الاحرار چودھری غلام عباس صاحب کے پروانوں کا علاقہ ہے۔

کانگرسی رہنماؤں کے پے در پے کشمیر کے دورے:

آل انڈیا کانگریس کے چوٹی کے رہنماؤں ایم، ڈی، کے، سی، گاندھی، سردار ولبھ بھائی پٹیل، پنڈت جواہر لال نہرو اور بقول حضرت قائد اعظم کانگرس کے ''شو بوائے''..... مولانا ابوالکلام آزاد نے نیشنل کانگریس کی حمایت کی اور شیخ عبداللہ کا قد کاٹھ بڑھانے کیلئے پے در پے کشمیر کے دورے کیے۔

حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کا دورۂ سری نگر:

حضرت قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار 1936ء کو ایک مقدمہ میں وکیل کی حیثیت سے کشمیر آئے تھے۔ دوسری بار 1944ء کو رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کی دعوت پر مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس سے خطاب کیلئے سری نگر تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ محترمہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح بھی تھیں۔ قائداعظم کو وزیر آباد میں استقبالیہ دیا گیا۔ اس استقبالیہ سے سٹی مسلم لیگ کے صدر علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی نے خطاب کیا۔ اس پر مولانا ظفر علی خان اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ کہا:

ظفر علی غلام ہے عبدالغفور کا
چشمہ اُبل پڑا ہے محمدؐ کے نور کا

قائداعظم سیالکوٹ کے راستے جموں اور وہاں سے سری نگر تشریف لے گئے اور تین ماہ تک سری نگر میں رہے۔ دوران قیام سری نگر آپ ہر طبقہ خیال کے لوگوں سے ملے اور ان کے خیالات جانتے رہے۔

قائد اعظمؒ کی خدمت میں استقبالیہ:

حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے اعزاز میں پہلا استقبالیہ میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہؒ (بعد میں آزاد کشمیر حکومت کے صدر بھی رہے) نے دیا جو بھرپور اور شاندار استقبالیہ تھا اور اس میں تین ہزار افراد شریک تھے اور یہ تمام لوگ برصغیر کے مسلمانوں کے عظیم رہنماء کو اپنے درمیان پا کر بے حد خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

راجوری سے مسلم کانفرنس کے وفد کی قائد اعظمؒ سے ملاقات:

راجوری سے مسلم کانفرنس کا ایک وفد سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کی قیادت میں حضرت قائد اعظمؒ کو ملنے گیا۔ وفد میں میاں غلام جیلانی (وانگت لار شریف) حکیم سید امیر حیدر شاہ، سید محمد عالم شاہ مرحوم (سوہاوہ) سید وہاب الدین شاہ ظفرؔ (حال راول ڈیم) اور سید جنید شاہ نسیمؔ (شہید) شامل تھے۔ ہاؤس بوٹ میں تین کرسیاں رکھی تھیں۔ حضرت قائد اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح کیلئے اور تیسری قائد ملت چودھری غلام عباس کیلئے، جوں ہی وفد قریب آیا۔ محمد یوسف قریشی (جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس) نے یہ سوچ کر کہ شائد یہ لوگ قائد اعظمؒ کے شایان شان گفتگو نہ کر سکیں وفد کو روکنا چاہا مگر قائد اعظم محمد علی جناح نے منع کر دیا اور فرمایا یہ لوگ مجھے ملنے آئے ہیں۔ انہیں مت روکیں۔ میں فرداً فرداً سب سے ملوں گا۔ چنانچہ یہ وفد قائد اعظم سے ملا۔ قائد اعظم شفقت سے پیش آئے اور فرمایا کرسیاں صرف تین ہیں، کھڑے کھڑے بات کرتے ہیں سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے کہا ہم کروڑوں مسلمانوں کے عظیم قائد کو ایک جھلک دیکھنے آئے ہیں۔ ریاست کے بچے، بوڑھے آپ سے ملنے کیلئے بے تاب ہیں۔ قائد اعظمؒ بڑے محظوظ اور متاثر ہوئے۔

حضرت قائداعظمؒ نیشنل کانفرنس کے کنونشن میں:

حضرت قائداعظمؒ شیخ محمد عبداللہ کی دعوت پر نیشنل کانفرنس کے کنونشن میں بھی گئے۔ چودھری غلام عباس بھی اپنے قائد کے ہمراہ تھے۔ قائداعظمؒ نے شیخ صاحب سے کہا میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے، میں ہندو کی ذہنیت کو سمجھتا ہوں۔ وہ ہر لحہ منہ میں رام رام اور بغل میں چھری رکھتا ہے۔ وار کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ مگر شیخ صاحب اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔

حضرت قائداعظم مسلم کانفرنس کے سالانہ جلسہ میں:

حضرت قائداعظم کو ہاؤس بوٹ سے ایک پرشکوہ جلوس میں مسلم کانفرنس کے کنونشن میں لایا گیا۔ مسلم کانفرنس کے شیر دل رہنما خواجہ عبدالسلام ہجوم کو کنٹرول کر رہے تھے۔ بچے، بوڑھے عورتیں برصغیر کے عظیم مسلم قائد کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے نعرۂ تکبیر و رسالتؐ کے علاوہ... قائداعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد اور مسلم کانفرنس زندہ باد کے نعروں کی گونج میں قائداعظم سٹیج پر تشریف لائے تو بڑے رقت انگیز مناظر تھے۔ لوگوں کے ہاتھ حضرت قائداعظم کو دیکھ کر اس طرح فضاء میں بلند ہو رہے تھے گویا آسمان کو چھو رہے ہوں۔ تاریخ نے اس منظر کو اوراق میں سمولیا۔ اجلاس کے مہمان خصوصی حضرت قائداعظم محمد علی جناح، صدارت رئیس الاحرار چودھری غلام عباس اور سٹیج سیکرٹری کا اعزاز جناب اے۔ آر ساغر کے حصہ میں آیا۔

رقت انگیز مناظر:

تلاوت قرآن مجید اور نعتِ رسولِ مقبولؐ کے بعد جناب اے۔ آر۔ ساغر نے غازی انور الہ آبادی کو نظم سنانے کیلئے بلایا۔ انور الہ آبادی آئے انگریز اور ہندو کی

مشتر کہ مسلمان دشمنی کا پردہ یوں پرسوز انداز میں چاک کیا ذرا غور کریں پون صدی قبل نظم کا یہ شعر آج بھی غیروں کی سوچ کا مکمل عکس ہے مگر مسلم اُمہ وقت کی نزاکت سے غافل ہے۔

''حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے''

انور آلہ آبادی نے نظم کیا سنائی مجمع کو تڑپا کر رکھ دیا۔ نظم کا پہلا شعر تھا:

کل مشورہ ہوا ہے غیروں کی انجمن میں

باقی نہ جان چھوڑو اسلامیوں کے تن میں

ہر طرف آہوں، سسکیوں کا شور تھا۔ مکرر، مکرر کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ جناب اے۔ آر ساغر نے انوار الہ آبادی کو پھر سٹیج پر بلایا انہوں نے حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جوں ہی پرسوز انداز میں سماں باندھا۔

بڑھاپے میں چہرے کی رونق تو دیکھو

میرا پیر پھر اب جواں ہو رہا ہے

مجمع تڑپ اٹھا اور عورتوں، بوڑھوں اور بچوں نے ہاتھ فضاء میں بلند کیے گویا کہ وہ ہاتھ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے ہوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان سے حضرت قائداعظم کی درازی عمر کی دعائیں جاری تھیں۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یہ نکلی ہوئی دعائیں ہی تھیں جن کے اثر نے کام کر دکھایا اور قائداعظم نے اپنی بیماری کو خفیہ رکھا تاکہ پاکستان معرض وجود میں آسکے۔

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے خطبہ استقبالیہ کے بعد قائداعظم سٹیج پر آئے اور برصغیر کی سیاست پر مختصر مگر جامع تبصرہ کے بعد فرمایا... خوش قسمت ہے وہ قوم جسے چودھری غلام عباس جیسا رہنماء میسر ہے۔ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس ایک جسم

کے دو نام ہیں، وقت پڑنے پر برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کو آپ کی پشت پر لا کھڑا کروں گا۔

تین ماہ کے بعد حضرت قائداعظمؒ اوڑی کے راستے واپس تشریف لائے لاہور تک رئیس الاحرار چودھری غلام عباس اور جناب اے۔ آر ساغر ہمراہ آئے۔ یہ ہے تاریخ کشمیر کا زریں باب اب 1923ء سے لیکر 1944ء کے درمیانی انقلاب آفریں جدوجہد میں غور کریں کون کون عظیم لوگ شامل جدوجہد تھے۔

نواب بہادر یار جنگ کا دورۂ سری نگر:

تحریکِ آزادی ہند اور تحریک پاکستان میں حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے بعد بے شمار رہنماء گزرے ہیں جنہوں نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ان میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ (محدث علی پوریؒ) نوابزادہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشترؒ، علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، علامہ سید نعیم الدین مراد آبادیؒ، مولانا عبدالستار خان نیازی، علامہ ابوالحسنات قادری، نواب افتخار حسین ممدوٹ، راجہ صاحب محمود آباد، راجہ غضنفر علی خان، میاں ممتاز خان دولتانہ، سردار بہادر خان، مولانا عبدالماجد بدایونی، سید غلام مصطفیٰ خالد گیلانی، سر فیروز خان نون، سید عبداللہ ہارون، نوابزادہ حسن محمود، پیر صاحب مانکی شریف، علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید داؤد احمد غزنوی اور بے شمار علماء مشائخ حضرات جنہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے گرانقدر قربانیاں دیں۔ تاہم تاریخ نے حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے بعد جو مقام چھوٹی عمر میں نواب بہادر یار جنگ کو دیا وہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔ ملت کا درد رکھنے والے رہنماء کو پر اثر گفتگو کا ملکہ حاصل تھا۔ چودھری غلام عباس نے نواب صاحب کو دورۂ سری نگر میں مسلم کانفرنس کے کنونشن

سے خطاب کی دعوت دی لیکن ڈوگرہ حکومت نے نواب صاحب کے کشمیر میں داخلے پر پابندی عائد کر رکھی تھی اور تمام سرحدی چوکیوں کو سخت ہدایات دے رکھی تھیں کہ نواب صاحب کو ریاست میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ نواب بہادر یار جنگ کوہالہ کے راستہ مظفر آباد پہنچے۔ اپنی کار خود ڈرائیو کرتے ہوئے چوکی پر آئے۔ پولیس چوکنا تھی مگر نواب صاحب بھی خطروں سے کھیلنے والے تھے۔ چوکی افسر نے نام پوچھا اور یہ بھی کہ کہاں جانا ہے اور کیوں؟ کہنے لگے میرا نام بہادر خان ہے، سیر کیلئے آیا ہوں اور بارہ مولہ تک جاؤں گا... اگر وقت مل سکا تو اسلام آباد اور سرینگر بھی کچھ دیر ٹھہرنے کا ارادہ ہے تاکہ درسگاہ اور خانقاہ معلیٰ حاضری دے آؤں۔ اجازت ملی، کار فراٹے بھرتی ہوئی چکوٹھی کو عبور کر گئی بارہ مولہ پہنچ کر کار میں پٹرول ڈلوایا اور آگے روانہ ہو گے۔ سری نگر میں اعلان ہو رہا تھا کہ نواب صاحب پہنچنے والے ہیں۔ پولیس کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں وائرلیس پر پولیس کو چوکنا رہنے کی ہدائت دی جا رہی تھی۔ اچانک نواب صاحب مسلم کانفرنس کے کنونشن کے گیٹ پر جا اترے۔ رئیس الاحرار چودھری غلام عباس سے علیک سلیک ہوئی۔ پولیس پابندی کے احکامات لیے کھڑی تھی نواب صاحب مسلم کانفرنس کے جلسے سے خطاب تو نہ کر سکے تاہم ان کی اس طرح آمد اور واپسی نے وہ کام کر دیا جو عام حالات میں ممکن نہ تھا۔

قیام پاکستان اور ریاست کی مسلمہ قیادت کی گرفتاری:

برصغیر کی تقسیم کا وقت قریب تھا۔ دہلی اور شملہ میں کانفرنسیں ہو رہی تھیں۔ انگریز برصغیر سے رختِ سفر باندھ رہا تھا، عین اس وقت مہاتما گاندھی کے اشارہ پر آل انڈیا کانگریس نے ہندوستان میں ستیہ گرہ کا اعلان کر دیا۔ آل انڈیا کانگریس کے ہر پروگرام کے پس پردہ انگریز کا ہاتھ ہوتا تھا یہ لوگ قیام پاکستان کو روکنا چاہتے تھے مگر

قدرت کا اپنا نظام ہے، پاکستان قدرت کا عطیہ تھا۔

جموں و کشمیر کی قیادت عین برصغیر کی تقسیم کے وقت جیلوں میں چلی گئی شیخ عبداللہ نے آل انڈیا کانگریس کی حمائت میں Quit India Movement (ہندوستان چھوڑ دو) تحریک چلائی اور جیل چلے گئے۔ ادھر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس نے آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں Direct Action (راست اقدام) کا نعرہ لگایا اور گرفتار ہو گئے۔ ان کے ہمراہ آغا شوکت علی اور اے۔ آر ساغر بھی گرفتار ہو گے۔

قیام پاکستان سے قبل پاکستان سے الحاق کی قرارداد:

برصغیر کی تقسیم کا پروگرام ابھی طے ہو رہا تھا۔ انگریز ہندو کا پشتبان تھا۔ پنجاب اگرچہ اکثریتی لحاظ سے مسلمان صوبہ تھا لیکن یہاں پر خضر حیات ٹوانہ یونیسٹ پارٹی کے وزیر اعظم (اس وقت تک صوبائی وزرائے اعلیٰ کو وزیر اعظم ہی کہا جاتا تھا) اور قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ خود مسلمانوں میں بعض چوٹی کے علماء کانگریس کے حمایتی اور مطالبہ پاکستان کے ناقد تھے۔ ان سب کی نیت پر شک تو نہیں کیا جا سکتا لیکن حضرت قائداعظمؒ ایسے مخلص اور بے لوث قائد کی ذات کو جس بھونڈے اور بے ہودہ طریقے سے ان لوگوں نے اپنی تحاریر اور تقاریر میں نشانہ بنایا اور جس طرح ان کی معنوی اولاد آج پاکستان میں رہتے ہوئے بانی پاکستان کے خلاف تحریری و تقریری ہرزہ سرائی کرتی نظر آتی ہے۔ یہ بہر حال افسوس کا مقام اور اس امر کا غماز ہے کہ قائد کے پاکستان میں قائم ہونیوالی بعد کی حکومتوں پر قابض لوگ واقعی قائد کی جیب کے کھوٹے سکے یا ان کی اولادیں ہیں۔ سوائے نوابزادہ سید حسن محمود کے، کسی نے مسلم لیگ کی تنظیم کا خیال نہ کیا سب اپنی اپنی جاگیروں کا تحفظ کرتے رہے۔ بہر حال.... برصغیر کی تقسیم کی خبروں نے ہندوؤں میں تشویش کی لہر پیدا کر دی۔ جنونی ہندوؤں اور عقل سے عاری وحشی

سکھوں کے مسلح دستے مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ بالخصوص کشمیر سے ملحقہ پنجاب کے اضلاع لاہور، سیالکوٹ اور امرتسر کے علاوہ پنجاب کے دیگر وسطی اضلاع گورداسپور، ہشیار پور، جالندھر وغیرہ میں جہاں مسلمان آبادیاں منتشر تھیں، میں فسادات شروع ہو گئے ۔ اس کے اثرات صوبہ جموں، ریاسی، راجوری، میر پور پر بھی پڑے اور یہاں بھی فسادات کی چنگاری بھڑک اٹھی۔

قرارداد الحاقِ پاکستان:

چوہدری حمید اللہ مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر تھے۔اس سنگین صورتحال میں چوہدری حمید اللہ نے بعض ساتھیوں سے مشورہ کیا اور 19 جولائی 1947ء کو ریاست جموں وکشمیر کے پاکستان سے الحاق کیلئے قرارداد کی منظوری کا پروگرام طے ہوا۔ اس وقت غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے چیف وہیپ تھے اور آبی گذر سری نگر میں رہائش پذیر تھے ۔ طے پایا کہ ان کی رہائش گاہ پر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کے نمائندوں کا اجلاس ہو گا جس میں مطلوبہ قرارداد کی منظوری دی جائے گی۔

چنانچہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کے نمائندگان جو اس کشمکش کے حالات میں سری نگر میں موجود تھے یا قریب کے اضلاع اسلام آباد (اننت ناگ) بارہ مولہ وغیرہ سے بلائے جا سکتے تھے ان کو آبی گذر بلا کر ریاست جموں وکشمیر کے پاکستان سے الحاق کی قرارداد منظور کر کے مہاراجہ ہری سنگھ پر واضح کیا گیا کہ ریاست کی اکثریت کی رائے میں یہاں کے باشندے ریاست جموں وکشمیر کا پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں۔اس لئے مہاراجہ اکثریت آبادی کی خواہشات کا احترام کرے اور کوئی ایسا اقدام جو مسلمانوں کی خواہشات اور رائے کے خلاف ہو نہ کیا جائے یہ قرارداد حقیقت

میں جموں و کشمیر کے عوام کی رائے اور خواہشات کی عکاس تھی جو بھی نمائندے وہاں موجود تھے ان کی اکثریت تعلیم یافتہ اور مسلم کانفرنس کے حقیقی نمائندے تھے۔ 18 جولائی کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ اور دوسرے روز 19 جولائی کو جنرل کونسل کے نمائندگان کا اجلاس ہوا۔ اس طرح ریاست کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے ریاستی باشندوں کیلئے ایک واضح منزل کا تعین کیا۔ تو ریاست کے مسلمان ڈوگرہ فوجوں سے مردانہ وار ٹکرائے جموں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا۔

قرارداد الحاق پاکستان کے اجلاس کے شرکاء:

قرارداد الحاق پاکستان مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کے نمائندگان نے قیام پاکستان سے قبل 19 جولائی کو منظور کی آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ تاریخی کارنامہ ہے۔ یہ اجلاس آبی گذر سری نگر میں غازیٔ ملت سردار محمد ابراہیم خان کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ صدارت مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر چوہدری حمید اللہ نے کی اہم شرکاء میں چوہدری نور حسین، ڈاکٹر محمد یعقوب ظفرؔ، محمد یوسف قریشی، عبدالرحیم درّانی، خواجہ ثناء اللہ شمیمؔ، خواجہ غلام دین وانی ایڈووکیٹ، غلام محی الدین ترنبو، عبدالسلام دلال، راجہ عبدالحمید خان پرچہ اور سری نگر، بارہ مولہ کے کارکنان جنرل کونسل، مذکورہ بالا افراد ذمہ دار، تعلیم یافتہ اور مسلم کانفرنس کے منجھے ہوئے لوگ تھے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ افراتفری کے اس دور میں زیادہ لوگوں سے رابطہ ممکن ہی نہ تھا۔ ہاں محترم چوہدری نور حسین، راجہ عبدالحمید کی طرح جو افراد کسی بناء پر سری نگر میں موجود تھے وہ اس اجلاس میں شریک ہو سکے۔ لیکن بعض افراد نے غلط بیانی سے شرکاء میں اپنے ناموں کا اندراج کرایا جو صریح غلط حرکت اور تاریخ سے زیادتی ہے۔ اس وقت کے غیر معمولی حالات میں یہ اجلاس انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔

پونچھ میں جہادِ آزادی

..... حقائق کیا ہیں:

ریاست جموں و کشمیر کے مقابلہ میں راجدانی پونچھ کو خصوصی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مہاراجہ کی راجدانی تھی۔ پونچھ شہر میں مہاراجہ کی فوج کا ہیڈ کوارٹر اور محلات تھے۔ ہوائی اڈا تھا۔ اس وقت پونچھ میں چار بڑی تحصیلوں کے باشندوں کی اکثریت انڈین آرمی میں تھی۔ غیور لوگوں کی کے غیور افراد سبز علی، ملی خان نے انگریزوں سے اپنی کھالیں تک کھنچوائیں۔ یہ قربانیاں تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ سرزمین پونچھ خوبصورت لوگوں کی خوبصورت وادیوں اور پہاڑی سلسلہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں فتح پور نکیال، کریلا مجھاں بھی تحصیل منڈھیر کا حصہ اور راجدانی پونچھ میں شامل تھا۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے ریاست کے پاکستان سے الحاق کی قرارداد منظور کر کے کشمیری مسلمانوں کے لیے واضح منزل کا تعین کر دیا تو اس کے ساتھ ہی ریاست میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔

پونچھ میں جدوجہد آزادی کا آغاز کیسے ہوا؟

پونچھ کے غیور مسلمانوں کا موڈ دیکھنے مہاراجہ راولاکوٹ آیا۔ لوگ مہاراجہ سے مل رہے تھے کہ گھوڑے پر کیپٹن حسین خان (شہید) گزرے۔ کسی نے ان سے کہا کہ مہاراجہ آیا ہوا ہے، اس سے مل لیں تو کیپٹن حسین خان (شہید) نے گھوڑے کو ایڑی لگاتے ہوئے کہا اب حسین خان میدان جہاد میں ہی ملے گا۔ بقول تحریک آزادی کشمیر کے بزرگ رہنماء سردار مختار خان ایڈووکیٹ:

..... جب مسلح جدوجہد کا آغاز ہونے کو تھا۔ پونچھ کے نمائندوں نے

تین محاذ تجویز کئے۔ آزاد پتن، پلندری اور تراڑکھل... بابائے قوم کرنل خان محمد خان، آزاد پتن راولاکوٹ سے آگے اس کے نگران کیپٹن حسین خان شہید اور تیسرا محاذ کوہالہ، دھیر کوٹ، باغ اس کے نگران سردار عبدالقیوم خان ہونگے اور تینوں محاذ سے جدوجہد کا اکھٹے آغاز ہوگا۔ لیکن سردار عبدالقیوم خان نے دھیر کوٹ تھانہ پر حملہ کر کے اسلحہ چھینا اور یوں اکیلے جدوجہد شروع کردی جس سے ہمارے درمیان کوآرڈینیشن نہ رہا اور ہمیں نقصان ہوا۔''

یہ ریمارکس محترم سردار مختار خان کے ہیں جو خود بھی عملاً تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لے چکے ہیں۔ تاہم دھیر کوٹ سے جہاد آزادی کشمیر کا آغاز کیسے ہوا۔ مصنف اپنی معلومات اور حقائق کی روشنی میں تاریخ کے اوراق کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ تاریخ کے اصل حقائق سے پردہ نہ اٹھانا تاریخ سے انصاف نہیں۔ چنانچہ افراتفری کا دور شروع ہوا تو دھیر کوٹ کے مشہور گاؤں سوہاوہ شریف کے گردیزی خاندان کی رگ حمیت پھڑکی۔ تحصیل باغ میں گردیزی خاندان ہلڑ سیداں کے سید حسن شاہ گردیزی، سید خادم حسین شاہ (شہید) اور پیران سوہاوہ شریف جب آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ہراول دستہ تے، اس وقت تک جولی چیڑھ (غازی آباد) والوں کو مسلم کانفرنس سے کوئی تعلق وواسطہ نہ تھا یہ تاریخ کے حقائق ہیں۔

سوہاوہ شریف کے سجادہ نشین پیر سید شمس الدین گردیزی کی ہدائت پر پیر سید صادق حسین شاہ عادل نے ایک جلوس ترتیب دیا اور یہ جلوس نعرے لگا تا نیلہ بٹ کی طرف روانہ ہوا۔ جنگل، پہاڑ، نعروں کی گونج سے علاقہ کے لوگوں کو متوجہ کرتے۔ راستہ میں لوگ شامل ہوتے رہے۔ ان ہی میں مرحوم غازی محمد اسماعیل بھی تھے۔ نعرے لگاتا

یہ جلوس جب نیلہ بٹ کے مقام پر پہنچا تو سردار محمد عبدالقیوم خان اور سردار عبدالغفار خان (مرحوم) بھی پہنچ گئے جس کے بعد پیر شمس الدین گردیزی کی صدارت میں جلسہ عام شروع ہوا۔ جس میں محترم سردار محمد عبدالقیوم خان، سردار عبدالغفار خان، پیر صادق حسین شاہ عادل، غازی محمد اسماعیل وغیرہ نے تقریریں کیں۔

تاریخی حقیقت نیلہ بٹ کے سوہاوہ شریف سے نکلنے والے اس جلوس کے گرد گھومتی ہے، مگر پیرانِ سوہاوہ کو کوئی ظاہری نمود ونمائش کی خواہش نہ تھی وہ درویش لوگ تھے۔ یار لوگوں نے اس واقعہ کو اس طرح کیش کیا کہ ریاست کی پوری جدوجہد اپنے کھاتے میں ڈالنے میں ذرا بھی عار محسوس نہ کی۔ دھیر کوٹ، باغ کی حد تک سردار محمد عبدالقیوم خان نے جہادِ آزادی میں حصہ ضرور لیا۔ وہ تحصیل باغ کی حد تک جہاد آزادی کا جزو تھے مگر حیرت کا مقام ہے کہ تاریخ کو مسخ کر کے پوری جدوجہد کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی۔ ذرا 23 اگست 1947ء سے قبل کی جدوجہد آزادی پر نظر دوڑائیں، ان کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ یہ تاریخ کے حقائق ہیں جبکہ سیاسی حقائق یہ ہیں کہ 1949ء میں مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر چوہدری حمید اللہ راولاکوٹ آئے تو پوٹھی مکوالاں میں مولوی اقبال خان کے گھر کارکنوں کی میٹنگ ہوئی۔ سردار صاحب اس میٹنگ میں ضرور شریک ہوئے، مگر بحیثیت مسلم کانفرنس کارکن کے اور اس کے بہت بعد تک ان کا ذکر نہیں ملتا۔

جموں میں قتلِ عام کی گھناؤنی سازش:

سرزمین جموں کا مردم خیز خطہ ابتداء سے ہی تحریکِ آزادی کشمیر کا مرکز رہا ہے۔ سرزمینِ جموں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے 1948ء میں غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان کی صدارت میں بننے والی حکومت کو اہم سہارا دیا۔ اگر عبدالمجید سلہریا اور

ان کے ساتھی نہ ہوتے تو حکومت کے انتظامی امور کو چلانا نہائت دشوار ہوتا، پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ یہ صوبہ دوقومی نظریہ کا مرکز رہا ہے۔ قائد ملت چودھری غلام عباس، سردار گوہر الرحمٰن خان، اے۔ آر ساغر، آغا شوکت علی، چوہدری حمید اللہ، چودھری عبداللہ بھلی، شیخ منظر مسعود، پروفیسر محمد اسحاق قریشی، شیخ گلزار احمد، مولانا محمد عالم، قاضی خورشید عالم، جناب کے۔ ایچ خورشید، خواجہ محمد اقبال بٹ ایڈووکیٹ، عبدالمجید نظامی، چوہدری وزیر علی، شیخ عبدالحمید، جسٹس (ر) بشارت احمد شیخ اور عبدالمجید قریشی ایسے مردانِ کار اسی خطہ کے باسی تھے۔ جنہوں نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر خصوصاً دوقومی نظریہ کیلئے بے پناہ قربانیاں دیں۔ آل انڈیا کانگریس اور مہاراجہ ہری سنگھ (ڈوگرہ خاندان کا آخری حکمران) جانتے تھے کہ جموں کے مسلمان پاکستان کیلئے مرمٹنے سے گریز نہیں کریں گے اس لیے ان کو ختم کرنے اور دھوکے سے ان پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا گیا۔

مسلم کانفرنس کے بانی رئیس الاحرار چودھری غلام عباس، اے۔ آر ساغر اور آغا شوکت علی جیل میں تھے۔ سرکار نے جموں شہر اور گردونواح میں پیادوں کے ذریعہ منادی کرائی کہ جو مسلمان پاکستان جانا چاہیں انہیں لاریوں، ٹرکوں میں پاکستان پہنچایا جائے گا۔ نومبر 1948ء کے پہلے ہفتے میں ان مسلمانوں کو پولیس لائن جموں کے گراؤنڈ میں جمع ہونے کو کہا گیا۔ پاکستان کا نام سن کر گویا ان کے سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ چہرے کھل اُٹھے۔ یہ حرماں نصیب اپنے آبائی مکانوں پر ایک ایک نظر ڈال کر پولیس لائن کی طرف کھچے چلے آئے۔

ان کو لاریوں اور ٹرکوں میں بھیڑ، بکریوں کی طرح ٹھونس دیا گیا۔ تین، چار دن مسلسل یہ عمل جاری رہا، جموں سے نکل کر پاکستان کی بجائے قافلوں کا رُخ سانبہ کی

طرف موڑا جاتا رہا جس پر بے چارے مسلمانوں کا ماتھا ضرور ٹھنکا، مگر آگے کا منظر کچھ اور تھا۔ ڈوگرہ فوجوں کے دستوں اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے غنڈوں نے علاقے کو چاروں طرف سے پوزیشن سنبھال کر گھیرے میں لے رکھا تھا۔ لاریوں، ٹرکوں سے جو نہتے مسلمان اترتے گئے ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ بچوں کو نیزوں کی اَنیوں پر اچھالا گیا۔ سینکڑوں جوان بچیاں اغواء کر لی گئیں۔ اس طرح ڈوگرہ رجیم کی جانب سے نہتے اور پاکستان کی محبت سے سرشار کشمیری مسلمانوں پر ایک قیامت ڈھائی گئی۔

تاریخ گواہ ہے اس قیامت کا وادی کشمیر میں کوئی ردعمل نہ ہوا۔ میرپور، کوٹلی، پونچھ اس جدوجہد آزادی میں ڈوگرہ استبداد سے آزاد کرا لیے گئے اور مظفر آباد کے راستے مجاہدین سری نگر کے ہوائی اڈہ تک ضرور پہنچے مگر وادی کشمیر کے اندر انہیں حسب توقع ریسپانس نہ ملا۔ مہاراجہ سری نگر سے بھاگ کر پہلے جموں اور پھر دہلی جا پہنچا۔

تاریخِ کشمیر کا سیاہ ترین دن:

تحریک آزادیٔ کشمیر کی کشتی کنارے نہ لگنے اور اتنی طویل قربانیوں کے بعد ہمالہ کے چشمے کیوں نہ اُبلے اور جھیل وُلر کے کنارے کھڑا خضر دور افق پر حسرت ویاس کی نظر کرتے ایک صدی سے نااُمیدی سے آسمان کی طرف دیکھتا کیوں رہ گیا؟ شیخ عبداللہ نے عارضی اقتدار کیلئے جدوجہد آزادیٔ کشمیر پر پانی پھیر دیا۔ جب مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو سے کہا کہ بحیثیت جموں و کشمیر کے حکمران کے وہ بھارت سے الحاق کا خواہش مند ہے تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے مہاراجہ کو کہا کہ آپ وہاں کے عوام کی اب نمائندگی نہیں کرتے۔ عین اس وقت بادامی باغ چھاؤنی سری نگر سے شیخ عبداللہ کو رہا کر کے نئی دہلی پہنچا دیا گیا چنانچہ مہاراجہ

نے کہا شیخ عبداللہ آ گئے ہیں... شیخ صاحب کو طلب کیا گیا اور ان کے سر پر کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کا تاج سجا دیا گیا۔

شیخ صاحب کی کایا کلپ:

شیخ محمد عبداللہ جموں کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کا تاج پہن کر پالم کے ہوائی اڈے پر آئے تو ان کا پہلا بیان جہاد آزادیٔ کشمیر میں شریک مجاہدین کو "بیرونی حملہ آور" قرار دینا تھا۔ حیرت کا مقام ہے کہ انہوں نے جموں میں مسلمانوں پر برپا ہونے والا درندگی اور سفاکیت کا طوفان بدتمیزی کیسے نظر انداز کر دیا؟ آخر کیوں انہیں ڈھائی تین لاکھ بے گناہ مسلمانوں کا خونِ ناحق نظر نہ آیا۔ تاریخ کشمیر شیخ عبداللہ کو کس زمرے دیکھے گی اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا کہ اتنی طویل جدوجہد کا کوئی نتیجہ نہ نکلنے کے اسباب کیا تھے؟ بہرحال بھارت نے شیخ عبداللہ کے کندھوں کو استعمال کر کے 27 اکتوبر کو فوجیں جموں کشمیر میں داخل کیں جو آج تک جموں و کشمیر پر حدِ متارکہ کے اس پار غاصبانہ تسلط جمائے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے نام پر قربانی کا انوکھا واقعہ:

جموں میں اتنی بڑی تعداد میں نہتے مسلمانوں کے قتلِ عام کی خبریں پھیلیں تو جموں کے بچے کھچے مسلمانوں نے گھروں میں مورچہ بند ہو کر لڑنا شروع کر دیا۔ ایک افراتفری کا عالم تھا کسی قسم کی منصوبہ بندی کر کے آگے بڑھنے کیلئے اب وقت نہ تھا۔ اسی افراتفری کے عالم میں جموں شہر میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گے۔ مسلمانوں کی اکثریت تو ماری جا چکی تھی تاہم صورتحال یہ تھی کہ شہر میں مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کو راشٹریا سیوک سنگھ کے غنڈے نشانہ بنا رہے تھے۔ تالاب کھٹیکاں، محلہ مست گڑھ میں

قربانی کا ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ جب یہ افواہ پھیلی کہ مسلمانوں کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا ہے اور وہ مزاحمت کے قابل نہیں رہے۔۔ (سچی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس اسلحہ تھا ہی نہیں اور جو تھا بھی وہ ایک حکمت عملی کے تحت پہلے ہی ان سے دھروا لیا گیا تھا، لاٹھی، چھری وغیرہ ہی اب ان کے ہتھیار تھے مگر ان سے بھی انہوں نے ہندو غنڈوں کا بے دریغ مقابلہ کیا) تو محلہ مست گڑھ کے ایک مسلمان مستری عبدالکریم کی دو نوجوان بچیاں تھیں جنہوں نے اپنے متفکر باپ سے کہا کہ ابا جان دشمن آ رہا ہے۔۔۔ اگر ہمارے گھر غنڈے آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ ہماری بے حرمتی کریں، آپ اپنے ہاتھوں ہمیں اللہ کے سپرد کریں اور ہمارے خون سے پاکستان زندہ باد لکھ دینا تاکہ اگر ہم زندگی میں پاکستان کو نہ دیکھ سکیں تو ہمارا خون پاکستان کی بنیادوں میں شامل ہو۔ یہ ہماری خواہش ہے چنانچہ ان حریت کیش نہتی مسلمان بچیوں کے مجبور اور بے بس باپ نے ایسا ہی کیا۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا اور ان کے خون سے دیوار پر پاکستان زندہ باد لکھا اور خود باہر نکل کر شہید ہو گیا۔ غور کریں نظریے اور عقیدے کیلئے اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہو سکتی ہے؟

ہلڑ سیداں کے سید خادم حسن شاہؒ کی شہادت:

پونچھ میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا۔ پلندری، منگ، تھوراڑ اور دوتھان میں ڈوگرہ آرمی مورچہ بند تھی۔ ہجیرہ جانے والا راستہ بند کر دیا گیا تھا۔ پونچھ کے غیور مجاہدین نے دوتھان میں مورچہ بند آرمی پر کاری ضربیں لگا کر ان لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ادھر باغ میں ہڈاباڑی کے مقام پر دشمن سے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ باغ کے قلعہ میں ڈوگرہ آرمی موجود تھی تاہم مجاہدین (جن میں پہلی اور دوسری عالمی جنگ میں برٹش انڈین فوجیوں کی حیثیت سے لڑ چکنے والے پونچھی فوجیوں کی بڑی تعداد پورے عزم وحوصلہ کے

ساتھ ڈوگرہ آرمی سے برسر پیکار تھی) بے جگری سے لڑے یہ علاقے آزاد کرالئے۔اس دوران سیری پیراں کہ امیر المجاہدین پیر سید علی اصغر شاہؒ نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

باغ سٹی مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری خادم حسین شاہ گردیزی ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ڈوگرہ ملٹری نے اپنا اسلحہ دکھا کر سید خادم حسین شاہ کو مغلوب کر کے ہندوستان زندہ باد اور پاکستان مردہ باد کہنے پر مجبور کر دیا اور کہا کہ اگر ایسا کرو گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ تمہارے اعضاء کاٹے جائیں گے۔ان کی رگوں میں ہاشمی خون تھا، وہ کیسے مانتے؟ان کی شہادت کا واقعہ سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ کے برادرِ صغیر سید شاہ جنید نسیمؔ (شہید) نے 1952ء میں اپنی منظوم تصنیف ''انقلابِ کشمیر'' میں یوں کیا۔ خادم حسین شاہ گردیزی کی شہادت تاریخ کا سنہری باب ہے۔وہ لکھتے ہیں، دشمن نے لالچ دی، دباؤ ڈالا اور کہا کہ:

یہ سنگینیں دیکھ لیں جو خونِ مسلم کو ترستی ہیں
یہ رائفل دیکھ لے جو بجلیاں بن کر برستی ہیں
تو زندہ باد ہندوستان کو ایمان سے کہہ دے
تو مردہ باد پاکستان کو ایقان سے کہہ دے

لیکن دشمن کی اس دھونس، دھاندلی اور بے پناہ جبر پر سید خادم حسین شاہ گردیزی بڑی شان سے مسکرائے اور بجائے پریشان ہونے کے اطمینان کے ساتھ لشکر کفار سے یوں مخاطب ہوئے:

سنو! اے لشکر کفار، تم میری صدا سن لو
سنو اے دشمنِ اسلام! تم میری صدا سن لو

میں سید ہاشمی ہوں اور علیؑ حیدر کا پوتا ہوں
گرامی ہے نسل میری، رسول اللہ کا دوہتا ہوں
مجھے اگر قتل کر دو، مار دو، سنگسار کر ڈالو
زبان کاٹ دو ٹکڑے میرے اگر دو چار کر ڈالو
میں ان نیزوں سے، شمشیروں سے ہرگز ڈر نہیں سکتا
کسی صورت میں تائید باطل کر نہیں سکتا

الغرض سید خادم حسین شاہ گردیزی نے یہ کہہ کر بلند آواز سے پاکستان زندہ باد اور ہندوستان مردہ باد کا نعرہ لگایا اور ان کفار کے ہاتھوں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور اپنے اسلاف کی سنت کو تازہ کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ:

''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد''

جدوجہد آزادی کشمیر میں قربانیوں کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں۔ تاریخ کے صفحات ان واقعات کا شائد احاطہ نہ کر سکیں، اس لئے بھی کہ لکھنے والوں نے ان عظیم لوگوں کی قربانیوں کا ذکر کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ خاص طور پر ہمارا برسر اقتدار طبقہ جدوجہد آزادی کشمیر کو صرف اپنے نام معنون کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے جی بھر کر تاریخ کو مسخ کیا۔

پیر سید سلیمان شاہؒ کی شہادت:

فتح راجوری کے بعد راجوری سے تحریکِ آزادئ کشمیر کے رہنماء سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے چچا پیر سید سلیمان شاہؒ اپنے خاندان کے ہمراہ راجوری سے سرن کوٹ تشریف لائے جہاں ان کا قیام مصنف کے والدِ محترم سید ولائت شاہ کے ہاں ہوا۔ ایک روز نمازِ فجر کے بعد فرمایا کہ میری ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑتے

ہوئے جان دے دوں۔ والد محترم نے جواباً کہا کہ حضرت! ایسی خواہش کسی اللہ والے کی ہی ہوتی ہے اور شہادت نصیب والوں کو ملتی ہے۔ چند روز بعد آپ اس خواہش کے مطابق راجوری جانے کو تیار ہوئے اور اپنے ایک عزیز ہدائت شاہ کو لیکر جہاد کیلئے روانہ ہو گئے۔ راجوری کے قریب عظمت آباد کے مقام پر پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ یہاں کچھ اور مجاہدین ساتھی بھی آپ سے آ ملے۔ رات کو ایک مکان میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران کسی نے دشمن کو اطلاع کر دی تو ڈوگرہ فوجیوں نے آدھی رات کو اس مکان کو گھیرے میں لے کر باہر سے کنڈی لگا کر، تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ پیر سید سلیمان شاہؒ سمیت تمام مجاہدین شہید ہو گئے۔ شہدا کے اجسام اس طور متاثر ہوئے کہ ان کی پہچان مشکل ہو گئی۔ تین دن بعد حضرت سلیمان شاہ شہیدؒ کے صاحب زادگان سید یعقوب شاہ اور مہر علی شاہ (مدفون نور پور سیداں) عظمت آباد پہنچے تو دیکھا کہ پیر سلیمان شاہ شہید کا بدن ایسے گرم تھا گویا ابھی سوئے ہوں۔ لاٹھی ہاتھ میں تھی اور جلی نہ تھی بڑی مشکل سے علیحدہ کی اور وہیں دفن کیا گیا۔

جموں و کشمیر کا مستقبل ایک ولی اللہ کا خواب:

جموں و کشمیر میں جب مسلح جدو جہد کا آغاز ہوا تو ریاست جموں و کشمیر کے معروف روحانی پیشوا، درویش خدامست لار شریف کے سجادہ نشین حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ نے ایک خواب دیکھا (یہ خواب پاکستان کے قومی اخبارات میں چھپ چکا ہے علاوہ ازیں سید حیدر شاہ غالب مرحوم کی تصنیف ''رہبر طریقت'' اور مصنف کی تصنیف ''امامُ الانبیا'' میں بھی چھپا اور ریکارڈ کے طور پر محفوظ ہے) یہ خواب تاریخ کشمیر کا حصہ بن چکا ہے۔ خواب یہ تھا کہ 1948ء کو راجوری سے ہجرت سے قبل ایک روز نماز فجر کے بعد وظائف کے معمولات سے فارغ ہو کر سلطان الاؤلیا حضرت حاجی بابا

سید نوران شاہ نورانیؒ نے اپنی برادری کے اُستاد خلیفہ حضرت سید امیر شاہ (مدفون نور پور سیداں) کو بلا کر فرمایا کہ:

''سید امیر شاہ (المعروف استاد جی، مدفون نور پور سیداں) آج رات میں نے خواب دیکھا ہے۔ وہ یہ کہ ہاتف سے آواز آتی ہے.... انسانوں کے درمیان دن بدلتے رہتے ہیں۔ فرمایا اس کے بعد آواز آئی جریب پھینکو، چنانچہ جریب پھینکی گئی۔ رام بن کے مقام پر دریائے چناب پر وہ اس طرح پڑی کہ دریا پار ہندو آبادی والا علاقہ الگ ہو گیا۔ دریا کے اس طرف مسلم آبادی والا علاقہ اس سے دور ہو گیا۔''

فرمایا دن بدلنے والی آواز اس طرف اشارہ ہے کہ اب ہمیں یہاں سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اس کے بعد آپ اپنے پورے خاندان کو لیکر پیر پنجال کی طرف نکل گے اور وہاں سے سرن کوٹ اور گوہلد کے راستے نکیال تشریف لائے۔ اس علاقہ میں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کا فیض آج تک اسی طرح جاری ہے۔ کچھ دنوں بعد حضرت اپنے خاندان کو لیکر سرائے عالمگیر تشریف لے آئے اور کئی سال یہاں گلی راجہ محمد اکرم خان میں قیام رہا۔ گرمیوں میں سنی بنک مری تشریف لے جاتے۔ ایک روز اپنے پیارے بیٹے سید محمد عبدُ اللہ شاہ آزاد آپ کو کار میں لے کر مری جا رہے تھے۔ اسی دوران سوہاوہ شہر سے نکلتے ہی بائیں جانب ایک جگہ گاڑی رکوائی اور اس جگہ کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا چنانچہ آپ کی خواہش پر سوہاوہ سے ایک کلومیٹر جانب گجر خان تقریباً 100 کنال غیر آباد بنجر زمین خریدی جو برلب سڑک واقع تھی۔ آج یہ بنجر زمین ''نور پور سیداں'' کے نام سے ایک معروف بستی ہے اور یہیں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ اور سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے مزارات مرجع خلائق ہیں۔ ہر سال 10 اور 11 اپریل کو عرس منایا جاتا ہے۔

.....بہر حال آپ کے خواب کا ایک حصہ تو پورا ہوا۔ دوسرا حصہ تاریخ کا حصہ ہے۔ دیکھنا ہے کب اور کیسے پورا ہوگا اور بقول حضرت سید جنید شاہ نسیمؔ (شہید)

یہ قربانی ہماری رنگ لائے گی زمانہ میں
مگر افسوس! ہم زندہ نہ ہوں گے اس زمانہ میں

سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ کے صاحبزادگان:

صاحبزادہ شوکت علی شاہ مدظلہ دربار عالیہ نور پور سیداں کے جانشین ہیں۔ آزاد کشمیر کے دوسری بار وزیر خوراک منتخب ہوئے ہیں۔ ان کے بھائی سید محمد علی شاہ، سید امجد علی شاہ، کیپٹن اکرام علی شاہ اور ظفر علی شاہ نور پور سیداں میں ہی رہائش رکھتے ہیں امجد علی شاہ منجھے ہوئے سیاسی کارکن اور سوشل ورکر ہیں۔ صاحبزادہ واجد علی شاہ، اصغر علی شاہ، عباس علی شاہ، حاجی نور علی شاہ، محنت مزدوری کیلئے امریکہ میں ہیں اور تحریک آزادی کشمیر میں بھی بھرپور دلچسپی رکھتے ہیں کہ تحریک آزادیٔ کشمیر کا درد ان کے خاندان کے ہر فرد کے دل و دماغ میں ہے۔

لاکھوں مہاجرین کی ہجرت، کون کہاں آباد ہوا:

۔ صوبہ جموں اور اس کے اضلاع ریاسی، راجوری، مینڈھر، سرن کوٹ سے لاکھوں مہاجرین ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ یہ انقلاب زمانہ تھا۔ رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی جلائی ہوئی شمع دو قومی نظریے کی بنیاد پر قربانیاں دینے والے یہ عظیم لوگ ہجرت کے بعد پاکستان میں کہاں کہاں بکھر کر رہ گئے۔ جموں شہر کے غیور مسلمان لاکھوں کی تعداد میں پاکستان کے نام پر قربان ہوئے اور اس طرح لاکھوں لوگ ہجرت کر کے سیالکوٹ، شکر گڑھ، نارووال، گوجرانوالہ، گجرات، منڈی بہاؤالدین میں آباد ہوئے۔ خود تحریک آزادی کشمیر کے بانی رئیس الاحرار چودھری غلام عباس اور ان

کے عظیم ساتھی اے۔آر۔ ساغر راولپنڈی، خواجہ محمد اقبال بٹ ایڈوکیٹ اور چودھری سلطان علی، چوہدری وزیر علی، شیخ گلزار احمد فدا، عبدالحمید نظامی، چوہدری محمد عبداللہ بھلی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عالم اور منشی معراج دین سیالکوٹ، شیخ منظر مسعود، مفتی عبدالغنی لاہور، مولوی عبدالعزیز راجوری (مولوی صاحبؒ کے نواسے عبدالحق ہاشمی، ایک متحرک سیاسی راہنما ہیں) مرزا منیر حسین، سردار ممتاز خان: گوجرانوالہ، مرزا لبی محمد، ملک احمد دین: جلال پور جٹاں، مرزا ایم اے لطیف خان، راجہ خورشید ایڈوکیٹ، مرزا محمد حسین راجوروی، ہدایت اللہ شاہ، سید فدا حسین راجوروی، ایس محمد شاہ، سید وارث علی شاہ، سید محمد شاہ لیڈر، سید حیدر شاہ حسرتؔ، جہلم، سید حیدر شاہ غالب، حاجی سید یعقوب شاہ، محمد شاہ مسلم، سرور شاہ، سید محمد عالم شاہ، سید مقبول شاہ، سید نعمت اللہ شاہ بخاری، سید عنایت اللہ شاہ بخاری، سید غلام احمد شاہ جمیلؔ اور خود مصنف (سوہاوہ) اور تحریکِ آزادی کشمیر کے عظیم رہنماء علامہ سید حبیبُ اللہ شاہ ضیاؔء (شورش جبالی) بانیاں چھمب، حافظ محمد شفیع قادری، سرداری، مولوی محمد ہاشم دین، سرداری، نمبردار غلام حسین، سید سلیمان شاہ سابق لوکل کونسلر، سید جماعت علی شاہ جعفری (سابق ممبر ضلع کونسل) چودھری محمد دین، چودھری محمد عزیز، حاجی عبدالرشید، نواں چک سنگری، سردار کرامت اللہ خان، سید یوسف شاہ مجاہد، مولوی محمد قاسم، حافظ سید مقبول شاہ، سکرانہ، حاجی سید عباس علی شاہ، نمبردار شیر دل، ماسٹر راجہ محمد یوسف، دھینگا نوالی چودھری لعل دین، ماسٹر محمد شفیع، چودھری لال حسین عرف بابو لالی (خیروال۔ چھمب) ملک نعمت اللہ راہوالی (گوجرانوالہ) تحریکِ آزادی کشمیر کے بزرگ رہنماء سید ولی شاہ مجاہد انور آباد، سید غلام حیدر شاہ، چچا سید حاکم علی شاہ، نور حسین شاہ، سید محمد انور شاہ، چکوال، مفتی وہابُ الدین شاہ راول ڈیم اسلام آباد، مولوی سید محبوب شاہ، ایم اے سرور، حاجی عباس علی شاہ، ماسٹر سید جماعت

علی شاہ، پیر سید عمران علی شاہ تحصیل کوٹلی، مولانا محمد اسماعیل ذبیح، مولانا مہر الدین قمر راجوری ایبٹ آباد، سید کبیر الدین گیلانی، اٹک، سردار علی اکبر، پشاور میں آباد ہوئے۔ چودھری سلطان علی، چودھری امیر حسین (سابق سپیکر قومی اسمبلی) شیخ محمد سلیم، سیالکوٹ، چودھری نعمت اللہ، راہوالی، قاضی حمید اللہ، چودھری صدر الدین، چودھری نور عالم (سابق وزیر ٹرانسپورٹ آزاد کشمیر) عبدالحق ہاشمی گوجرانوالہ، ملک محمد زبیر زخمی، جھنگ، مرزا بسی محمد (سابق وزیر حکومت آزاد کشمیر) جلال پور جٹاں، حاجی احمد دین، ڈاکٹر ایوب قریشی، مرزا محمد رفیق مغل اپنے بیٹے محمد اسحاق مغل، محمد اسماعیل مغل، سید علی حسن گیلانی، سید جماعت علی شاہ بخاری سوکڑ والے، سردار جلال دین، چودھری شریف طارق ایڈووکیٹ، کرنل مرزا منیر حسین جرال، میجر محمد خان جرال، مرزا نذیر حسین (سابق ڈپٹی کمشنر) مرزا ہدایت اللہ ایڈووکیٹ، فیض اللہ جوشی، حاجی رانا فضل حسین، غلام حسین چوہان، چودھری محمد حسین ٹرانسپورٹر، ٹھیکیدار وزیر حسین، چودھری اعجاز رضا ایڈووکیٹ کا خانوادہ، چودھری مقبول احمد رضا میر پور میں جبکہ ممتاز عالم دین سید رسول شاہ بخاریؒ سرگودھا میں آباد ہوئے۔ یہ انقلاب زمانہ ہے، ہجرت کی کہانی کہاں کہاں بکھری پڑی ہے۔

وادی کشمیر سے مولانا میر واعظ محمد یوسف شاہ، خواجہ ثناء اللہ شمیمؔ، خواجہ غلام دین وانیؔ، خواجہ عبدالصمد وانی، منظور الحق ڈار، خواجہ امین مختار اور چند وہ خاندان جو دو قومی نظریے پر یقین رکھتے تھے ہجرت کر کے راول پنڈی میں آباد ہوئے۔ تاہم مجموعی طور پر وادیٔ کشمیر پر امن رہی اور بدقسمتی سے یہی بات تحریکِ آزادی کشمیر کیلئے نقصان کا باعث ہوئی۔ وادی کشمیر سے جناب پیر سید ضیاء الدین راولپنڈی، مفتی ضیاء الحق کوہ مری جبکہ قاضی خورشید عالم پسرور آ گئے۔ صوبہ جموں سے تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنماء

جناب کے۔ ایچ ۔خورشید اور پونچھ شہر سے جناب سید نذیر حسین شاہ ایڈوکیٹ مرحوم، تحریک آزادی کشمیر کے اہم رہنما مرزا عطاء اللہ خان اور چودھری دیوان ٹھکیالہ اور مینڈھر کے درمانی گلی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ان کے عزیز و اقارب حد متارکہ کے دونوں جانب آباد ہوئے اور ایک دوسرے سے دوبارہ ملاقات کی حسرت لیے دنیا سے کوچ کر گئے۔ اسی طرح چودھری غلام احمد رضا ایڈووکیٹ سابق وزیر تعلیم آزاد کشمیر آج حضرت میاں محمد بخشؒ کے مزار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہیں۔ سید احمد شاہ گیلانی کھنکھڑی والے ڈھوک مدی کالا (مندرہ) میں مدفون ہیں جبکہ ان کا خانوادہ وہیں آباد ہے اس کے علاوہ بھی کئی احباب و اکابر کے نام رہ گے ہوں گے تاہم مصنف اپنی بے بضاعتی کی بناء پر اتنا ہی ذکر کر پایا۔ یہ سب لوگ تحریکِ آزادئ کشمیر کے ہیرو تھے، انقلاب نے انہیں بکھیر کر رکھ دیا۔ ان زعمائے کرام میں اکثر وہ لوگ ہیں جنہوں نے تحریکِ آزادی کشمیر کو اپنے خون جگر سے سینچا۔ انہیں اپنے اپنے مقام پر عوام و خواص کی طرف سے قابل قدر پذیرائی ملی لیکن مجموعی طور پر امرِ واقعی یہ ہے کہ:

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے!

پاک بھارت حکومتوں کی کشمیر پالیسی:

ریاست جموں و کشمیر میں دو مکاتب فکر تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں نیشنل ازم کے پرچارک اور ان کا ''برین چائلڈ''..... آل انڈیا کانگریس نیشنل ازم کی پشتبان تھی ۔ آل انڈیا کانگریس کے چوٹی کے رہنماؤں مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد اور مردولہ سارہ بائی نے تقسیم سے قبل نہ صرف نیشنل ازم کی بنیاد پر شیخ عبداللہ کے ذہن کو پختہ کار بنانے کیلئے کوئی کسر نہ چھوڑی بلکہ شیخ صاحب کا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ پے در پے کشمیر کے کئی

دورے کئے۔ جبکہ دوسری جانب رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس تن تنہا ریاست میں دوقومی نظریے کا پرچم بلند کیے ہوئے تھے۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناح ایک بار 1944ء کو رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کی دعوت پر کشمیر ضرور آئے مگر مشکل یہ تھی کہ وہ خود برصغیر ہندوستان میں قیام پاکستان کیلئے متعصب انگریزوں کے علاوہ آل انڈیا کانگریس اور یونینسٹ طبقہ سے چومکھی جنگ لڑ رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مسلمان علماء کا ایک اچھا خاصہ طبقہ کانگریس کا ہمنوا اور قیام پاکستان کا مخالف تھا (ایسی صورت حال میں) قائداعظم تنہا ان تمام قوتوں سے نبرد آزما تھے۔ ایسی صورت مین کشمیر کے حالات پر زیادہ توجہ نہ دے سکتے تھے، چنانچہ قائد ملت چوہدری غلام عباس نے ایک عزم و حوصلہ کے ساتھ اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں دوقومی نظریے کا پرچم بلند کیا کہ جموں کشمیر کی وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سبز ہلالی پرچم لہرانے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد پاک بھارت حکومتوں کی کشمیر پالیسی کا تقابلی جائزہ ہماری تاریخ کا ایک افسوسناک باب ہے۔ جب کبھی کوئی شخص اس پر غور کرتا ہے اس کے ذہن پر لازماً یہ شعر گشت کرتا ہے کہ:

آ عندلیب! مل کر کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

بھارت نے انگریز استعمار سے آزادی کے روز اوّل یعنی پنڈت نہرو کے دور سے کشمیر پر ایک پالیسی مرتب کی اور بعد میں آج تک بھارت میں کتنی حکومتیں بدلتی رہیں مگر ان کی کشمیر پالیسی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہر حکومت نے شیخ عبداللہ کو دنیا کے سامنے ایک مہرے کے طور پر پیش کیا شیخ عبداللہ فوت ہوئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہندوستان کی پوری قیادت ان کی موت پر امڈ آئی۔ صدر، وزیراعظم، مختلف صوبوں کے وزرائے

اور گورنرز سمیت اعلیٰ حکام سری نگر پہنچے اور اس طرح بھارتی حکام یہ تاثر دینے میں پوری طرح کامیاب ہوئے کہ بھارتی قیادت کشمیر کے ان لیڈروں کا دل سے کتنا احترام کرتی ہے جو مسئلہ کشمیر کے حوالہ سے بھارتی مقاصد کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ''جنابِ شیخ'' ایسے کشمیری لیڈروں کے سرخیل تھے اور رہتی دنیا تک رہیں گے چنانچہ اسی باعث مظلوم کشمیری موصوف کی تربت کی اپنے ہی انداز میں ''سینچائی'' کرتے رہتے ہیں تاکہ اس پر اُگنے والا سبزہ ''نورستہ'' رہے...... تاہم غدار کشمیری قیادت کا انجام اور مآلِ کار کچھ بھی رہا ہو بھارت کی کشمیر پالیسی اسی طرح جاری ہے۔

دوسری جانب حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی ناگہانی وفات کے بعد پاکستان میں وزارتِ امورِ کشمیر اور اس کی ماتحت ایجنسیوں نے ریاست جموں و کشمیر میں دو قومی نظریے کے علمبردار رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کے ساتھ جو رویہ اپنایا چرکوں پہ چرکے دیئے، وہ ہماری تاریخ کا افسوسناک باب ہے۔

چودھری غلام عباسؒ کی سیاست سے علیحدگی اور واپسی:

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس نے 1952ء میں دل برداشتہ ہو کر سیاست سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ مگر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد نے جہلم میں ایک بھرپور نمائندہ کنونشن طلب کیا جس میں سارے آزاد کشمیر اور پاکستان میں مقیم مہاجرین کے نمائندے شریک ہوئے اور متفقہ طور پر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کو سیاست سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا۔ چوہدری صاحب سیاست میں واپس آئے۔ مگر بعض حلقوں کا رول وہی رہا، اس کی ایک دو مثالیں یہاں تاریخ کی نذر کی جاتی ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنماء سردار عبدالرب نشتر مغربی پاکستان کے گورنر بن کر آئے انہیں کوہ مری میں رہائش کیلئے مناسب رہائش کی تلاش تھی۔ ان حلقوں کے

لوگ نشتر صاحب کو پوسٹ آفس کے اوپر کریم نواز بلڈنگ دکھانے لے گئے۔ انہوں نے جونہی کریم نواز بلڈنگ کے دروازہ سے اندر قدم رکھا، یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک ایک چھوٹے کمرے میں لکڑی کی کرسی پر حضرت قائداعظم کے معتمد ساتھی چوہدری غلام عباس بیٹھے ہیں۔ سامنے سادہ سی میز رکھی ہے اور وہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ کمرے کے کونے پر ایک چارپائی پر بستر بچھا ہے۔ چوہدری غلام عباس نے حیرانی سے پوچھا نشتر صاحب! آپ بغیر اطلاع کے کیسے آ گئے؟ نشتر صاحب نے ملازمین کو گھورا۔ گویا کہہ رہے ہوں کمبختو! یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔ تمہیں کیا معلوم یہ کون ہستی ہے؟ چنانچہ اُلٹے پاؤں واپس مڑے... اور تھوڑی دیر بعد بلڈنگ کے باہر ایک ٹرک اعلیٰ فرنیچر اور قالین لئے کھڑا تھا۔ چوہدری صاحب نے ایک چٹ لکھی کہ میرا کام چل رہا ہے، میں اس قیمتی فرنیچر کا کیا کروں گا؟ اور ڈرائیور کو دیکر واپس کر دیا۔

1963ء میں جنرل محمد ایوب خان کے دور میں دہلی اور راولپنڈی میں مسئلہ کشمیر پر کانفرنس ہو رہی تھی۔ بھارت کے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ، اور پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو ملاقاتیں کر رہے تھے۔ قائد ملت چوہدری غلام عباس نے صورتحال پر غور کرنے کیلئے 10 جون کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس طلب کیا چنانچہ گلزار احمد فدا، بشارت احمد شیخ، ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر اور مصنف نے پروگرام بنایا کہ ایسی تجویز پیش کریں کہ قائد ملت غصے میں آ کر سخت بیان دیں تو ان ملاقاتوں پر اس کا خاطر خواہ اثر ہو گا۔ ہم ابھی یہ مشورہ کر رہے تھے کہ عین اس وقت سردار محمد عبدالقیوم خان کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ قائد ملت صورت حال کی وضاحت کریں گے اس کے بعد ارکان عاملہ اپنی آراء دیں۔ اس پر قائد ملت کھڑے ہوئے ہی تھے کہ شیخ گلزار احمد فدا نے مصنف کو ٹھونکا مارا اُٹھو، اُٹھو۔ مصنف کھڑا ہوا اور عرض کی جناب قائد ملت! میری

ایک چھوٹی سی گذارش سن لیں پھر جو بھی فرمائیں۔ اس پر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد نے کہا آغا ہوش کرو، دیکھتے نہیں سامنے کون کھڑا ہے.... بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ راقم کو مجبوراً منقار زیرِ پر رکھنا پڑی۔ قربان جائیں قائد ہو تو ایسا ہو۔ رئیس الاحرار مسکرائے۔ اور فرمانے لگے نہیں نہیں.... کہو بیٹا، کیا کہنا چاہتے ہو؟ مجھے حوصلہ ہوا، میں نے عرض کیا جناب والا! مسئلہ کشمیر سے بنیادی طور پر تعلق آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور بالخصوص آپ کا ہے۔ مگر آپ کو پوچھا تک نہیں گیا۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس الحاق پاکستان کی قرارداد پر نظر ثانی کرے۔ (ہم نے شرارتاً یہ تجویز دی) اب سنیئے قائد محترم کا اس پر ردعمل۔ ان کی عظمت تھی.... اب وہ رعنائی خیال کہاں؟'' یہ نہیں فرمایا کے بیٹھو کیا اناب شناپ بکتے ہو۔ حقیقت میں میری تجویز اناب شناپ ہی تھی۔ قائدِ ملت نے ہمیں جو درس دیا وہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ فرمایا:

''خبردار! ہم نے جو نظریہ اپنایا اس کا کسی کی ذات یا فرد سے تعلق نہیں۔ نہ ہمارے کوئی ذاتی مقاصد اس سے وابستہ ہیں۔ یاد رکھو! ہم نے کسی حکومت سے الحاق نہیں کرنا، حکومتیں آنی جانی ہیں۔ ہمارا تعلق سرزمین پاک اور ملتِ اسلامیہ پاکستان سے ہے۔ پاکستان ہمارا قلب و جگر ہے۔ ہماری جان جس کیلئے ہم نے برسوں سہانے خواب دیکھے تھے.....''

غور کیجے! کشمیری قوم کے اس عظیم قائد کو ایوب خان کے دورِ حکومت میں ''ایبڈو'' کے ذریعہ نااہل قرار دیا گیا۔ قائد ملت نے سینہ میں کینسر کو دبا لیا۔ مگر ان کے عظیم نظریے کی پختگی میں فرق نہ آیا۔ ہماری تاریخ کا تسلسل اور افسوسناک باب ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ ایسی صورت میں وُلر کے کنارے خضر سوچتے سوچتے بوڑھا ہو گیا۔ ہمالہ کے چشمے اُبلیں تو کیسے؟



خطۂ کشمیر کی ممتاز روحانی شخصیت
حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ نورانیؒ

برطانیہ میں سابق گورنر مقبوضہ کشمیر جگ موہن کے خلاف
کشمیریوں کے بھرپور مظاہرے میں مصنف بھی شریک ہیں۔



دورۂ مقبوضہ کشمیر کے دوران سرہن کوٹ (پونچھ) میں مصنف آغا حسین مغموم کی
معروف کشمیری رہنما مرحوم سید نذیر حسین شاہ صاحب سے ملاقات کی یادگار تصویر

ولر کے کنارے خضر سوچتے سوچتے بوڑھا ہو گیا، یار لوگوں کا کاروبار چمک رہا تھا مگر اب شائد کشمیر کے نام پر تاجر لوگوں کا کاروبار نہ چمک سکے اس لئے کے حالات اب ان کا ساتھ شائد نہ دیں۔

موروثی سیاست اور قائدِ ملت چودھری غلام عباس:

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی وفات کے بعد غازی آباد اور کریلہ کے دونوں خاندان آزاد جموں و کشمیر میں برسر اقتدار رہے۔ دونوں نے موروثی سیاست اور اپنے اپنے مخصوص افراد کو مدنظر رکھ کر اقتدار کے مزے لوٹے۔ اس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔ یہاں رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے موروثی سیاست اور اپنی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا ایک واقعہ سنیئے۔ یہ ہمارے ان حضرات کیلئے نشانِ عبرت اور تاریخ کا سنہری ورق ہے، ڈھونڈیں چراغ لیکر ہے کوئی ادنی سی مثال؟ ہر گز نہ ملے گی۔ پھر ہمالہ کے چشموں کی اُمید کیسے رکھی جائے!! آئیں اصل واقعہ تاریخ کی نذر کریں۔

1964ء کو لنڈن سے علاج کے بعد واپسی پر پھر کچھ تکلیف ہوئی تو رئیس الاحرار علاج کیلئے میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے۔ آپ کے دیرینہ ساتھی سید محمد عبداللہ شاہ آزاد قائد محترم کی تیمارداری کیلئے گئے تو مصنف بھی ہمراہ تھا۔ ہسپتال میں غازئ ملت سردار محمد ابراہیم خان بھی تیمارداری کیلئے آئے ہوئے تھے۔

سردار محمد ابراہیم خان صاحب ان دنوں لاہور میں وکالت کرتے تھے۔ ان کی سید محمد عبداللہ شاہ آزاد سے جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہنے لگے آزاد شاہ جی یہ شخص (چوہدری غلام عباس۔) آزاد جموں و کشمیر کی سیاست کا منڈھی بیل ہے۔ پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے بولے، پتہ ہے منڈھی بیل کیا ہوتا ہے؟ ... وہ بیل جو کھلاڑے میں پہلے نمبر پر جتا ہو۔ وہ چلتا ہے تو باقی چلتے ہیں، وہ کھڑا ہو جائے تو باقی بیل بھی کھڑے

ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ:

''میری سمجھ میں اس شخص کی حقیقت نہیں آئی۔'' کہنے لگے میں نے کہا چوہدری صاحب! آپ بیمار ہیں، کل کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ راولپنڈی میں جس کوٹھی میں رہائش پذیر ہیں یہ آپ کے نام پر نہیں۔ کل آپ کے بچے کہاں جائیں گے؟...

کہنے لگے کیا کروں؟

میں نے کہا.... کسی کو اشارہ کریں کوٹھی الاٹ ہو جائے گی۔

کہنے لگے سردار صاحب! پاکستان میں بے شمار مہاجرین کو سر چھپانے کو جگہ میسر نہیں ایسی صورت میں اپنے بچوں کیلئے ایسا کروں... یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔

قربان جائیں.... آج وہ رعنائی خیال کہاں

(واللہ یہ سچا واقعہ ہے)

جون 1958ء مشہور زمانہ تحریک کے ایل ایم کا آغاز:

1948ء سے 1958ء کے درمیان مسئلہ کشمیر پر اخبارات میں بیانات تو آتے رہتے تھے مگر عملاً ہماری حکومتوں کی کشمیر پالیسی کہیں موجود نہ تھی جبکہ بھارت کے حکمران کشمیر پر کافی مربوط کام کر رہے تھے۔ ایک بار پنڈت نہرو راولپنڈی آئے۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے کارکن پنڈت نہرو کو مسئلہ کشمیر پر ان کے وعدے یاد دلانے کیلئے مظاہرے کا پروگرام بنا رہے تھے لیکن حکومت پاکستان نے منع کر دیا۔ چنانچہ پنڈت نہرو چک لالہ کے ہوائی اڈے سے باہر آئے تو اخبارات کے نمائندوں سے کہا مسئلہ کشمیر تو صرف فائلوں میں ہے، عوام میں تو کہیں نظر نہیں آیا۔ اس مسلسل سرد مہری اور بھارتی ہٹ دھرمی کے خلاف چوہدری غلام عباس نے عالمی ضمیر کو جھنجوڑنے کیلئے جنگ بندی لائن توڑنے کا پروگرام بنایا۔

قائد ملت کی گارڈن وِلاّ سنی بنک آمد:

30 مئی 1958ء کو رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس گارڈن وِلاّ سنی بنک کوہ مری آئے، ان کے ہمراہ سردار محمد عبدالقیوم خان بھی تھے۔ یہاں رئیس الاحرار معروف روحانی پیشوا حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دُعا کروائی اور سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ سے کے ایل ایم کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی مشورہ کیا۔ فیصلہ ہوا کہ اس تحریک کا ہیڈ کوارٹر پنڈی ہوٹل فوارہ چوک راولپنڈی میں ہوگا اور سید عبداللہ شاہ آزادؔ اس کے انچارج ہوں گے۔ دو گھنٹے تک اہم صلاح مشوروں کے بعد روانہ ہونے لگے تو حضرت آزادؔ صاحب سے فرمایا:

''راولپنڈی میں پبلسٹی خصوصاً منادی کیلئے دو کارکنوں کی ضرورت ہوگی۔ کل ساتھ لیکر آئیں۔ سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے مصنف کو بلایا اور کلڈنہ سے برادرم سرفراز حسین کو بلا کر اسی وقت قائد ملت کے ہمراہ کر دیا سنی بنک سے روانہ ہوئے سردار صاحب کار چلا رہے تھے اور چوہدری غلام عباس فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ہم دونوں پیچھے کار پر بیٹھے تھے یہ میری زندگی کا اہم ترین دن تھا۔

قائد قوم کے ہمراہ ناشتہ:

رات ہم دونوں بھائیوں نے 40 میو روڈ پر گزاری۔ صبح نماز فجر کے بعد وظائف کے معمولات سے فارغ ہوئے تو ہمیں ناشتہ پر بلایا۔ ناشتے کی میز پر قائد ملت نے ہم دونوں کو تھپکی دی۔ خود ساتھ بیٹھ کر فرمایا آؤ ناشتہ کرو نہائت شفقت سے ناشتہ کرایا اور پنڈی ہوٹل پہنچنے کو کہا۔ چنانچہ ہم پنڈی ہوٹل پہنچے تانگہ پر لاؤڈ اسپیکر باندھ کر لیاقت روڈ کی طرف نکل گے۔ راجہ بازار میں جناب اے۔ آر۔ ساغر سے مل کر مولانا

عبدالعزیز راجوری اور بشارت احمد شیخ آ رہے تھے۔ ہمیں دیکھا تو تانگہ رکوایا اور راجوری صاحب نے منادی شروع کر دی وہ چونکہ گوجرانوالہ سے آئے تھے (ہجرت کے بعد انہوں نے جی ٹی روڈ پر چیانوالی گاؤں میں رہائش اختیار کر لی تھی) چنانچہ انہیں گوجرانوالہ کی مشہور جلسہ گاہ شیرانوالہ باغ یاد تھی اس لیے منادی کے دوران کئی بار لیاقت باغ کی بجائے شیرانوالہ باغ کہہ جاتے۔ مرحوم مولوی صاحب کچھ دیر ہمارے ساتھ رہے پھر پنڈی ہوٹل چلے گے۔

جون 1958ء کو جنگ بندی لائن توڑنے کا اعلان:

15 جون کو لیاقت باغ میں تاریخی اجتماع ہوا۔ جلسہ کی صدارت سردار بشیر احمد نے کی۔ اس تاریخی اجتماع سے رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس، سردار محمد عبدالقیوم خان، مولانا غلام حیدر خان جنڈالوی، بشارت احمد شیخ نے خطاب کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ 27 جون کو جنگ بندی لائن توڑنے کا اعلان کیا۔ یہ نہائت زوردار تحریک تھی۔ قائد ملت چوہدری غلام عباس، سردار محمد عبدالقیوم خان، راجہ محمد حیدر خان اور صف اول کے دیگر قائدین کے علاوہ دس ہزار سے زائد کارکن گرفتار ہوئے۔ تحریک آزادی کشمیر کے رہنماء اور تحریک کے پہلے کمانڈر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کو گرفتار کیا گیا۔ ان کے ہمراہ تحریکِ آزادی کے بزرگ رہنماء سید ولی شاہ مجاہد اور کارکنان مسلم کانفرنس سید محمد عالم شاہ، حاجی سید عباس علی شاہ (سوہاوہ) چکوال سے سید گلزار حسین شاہ، حاجی شاہ عبدالعزیز، سید یوسف علی نورانی، سید عبداللہ شاہ ندیم مرحوم اور جی۔ ایم مفتی بھی گرفتار ہونے والوں میں شامل تھے۔ ان سب کو ہتھ کڑیاں لگا کر مال روڈ مری سے گزار کر سنٹرل جیل راولپنڈی پہنچا دیا گیا۔ اس قدر بڑی تعداد میر پور، کوٹلی، بھمبر، پونچھ، باغ، مظفر آباد اور مہاجرین مقیم پاکستان سے کارکن گرفتار ہوئے کہ یہاں فرداً فرداً سب کا ذکر

ممکن نہ ہے۔

مولانا مہرالدین قمر راجوری، خواجہ عبدالصمد وانی نے آنکھوں دیکھا حال اور نام تفصیل سے لکھے ہیں یہ تصانیف کے ایل۔ ایم پر ہی لکھی گئی ہیں مصنف ان عظیم کارکنوں اور ساتھیوں سے معذرت خواہ ہے کہ اپنی بے بضاعتی کی بناء پر سب کے نام نہیں لکھ سکتا۔ اس تحریک نے بھارتی ایوانوں کو لرزہ براندام کر دیا تھا اور اس وقت کے بھارتی وزیر خارجہ مسٹر کرشنا مینن بھاگ کر اقوام متحدہ گئے اور اقوام متحدہ سے چیخ و پکار کی کہ پاکستان پر دباؤ ڈال کر اس تحریک کو رکوایا جائے۔

یہ تین ماہ تک کامیابی سے جاری تھی کہ 10 اکتوبر کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور یہ تحریک معطل ہو گئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولوی عبدالعزیز راجوروی گوجرانوالہ سے دو درجن سے زائد باوردی رضا کار لائے تھے۔ تاہم میرپور سے ڈاکٹر محمد یعقوب ظفرؔ (مرحوم) کے ساتھیوں سالار محمد لطیف وغیرہ نے نکیال سے جنگ بندی لائن توڑ دی تھی جس کی پاداش میں ان حریت کیشوں کو دو سال تک مقبوضہ کشمیر جیل میں رہنا پڑا۔

کشمیر کمیٹی کا قیام:

بھارت اور چین کے درمیان ایک سرحدی جھڑپ لڑائی کی شکل اختیار کر گئی۔ چین کی واضح برتری کے بعد جب لڑائی کا خاتمہ ہوا تو امریکہ اور برطانیہ کیلئے یہ اچھا شگون نہ تھا، چنانچہ امریکہ کے ایول ہری اور برطانیہ کے وزیر خارجہ نے اسلام آباد اور نئی دہلی کے چکر لگائے اور پنڈت نہرو اور ایوب خان سے ایک دستاویز پر دستخط کروائے۔ سرکاری حلقوں میں اس دستاویز کو تاریخی قرار دیا گیا مگر رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس نے ملک وملت کے لیے اس دستاویز کو منحوس قرار دیا۔

17 دسمبر 1962 کو آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے زیر اہتمام لاہور میں ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ایک کشمیر کمیٹی قائم کی گئی۔ جس کے چیئرمین چوہدری غلام عباس منتخب کئے گے۔ دیگر ممبران میں ملت اسلامیہ پاکستان کے صف اول کے زعماء جناب حسین شہید سہروردی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ جناب خواجہ ناظم الدین، چوہدری محمد علی، حضرت سید فیض الحسن شاہؒ (آلومہار شریف) اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ شامل تھے۔ یہ قائد ملت چودھری غلام عباس کا خلوص، تدبر اور ملت اسلامیہ پاکستان کے دلوں میں بلا تخصیص مسلم کانفرنس کا اعتماد تھا...... آج وہ رعنائی خیال کہاں؟

1964ء شیخ محمد عبداللہ کی پاکستان آمد:

سری نگر کی معروف خانقاہ معلیٰ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا موئے مبارک چوری ہوا تو پورے کشمیر میں ایک بھونچال آ گیا۔ کشمیر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کریم کے عشاق بچے، بوڑھے، پیرو جواں گھروں سے نکل آئے تو موئے مبارک کی بازیابی پر ہی یہ طوفان تھما۔ اُدھر شیخ محمد عبداللہ طویل قید سے اس رہا ہوئے۔

بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک اعلیٰ سطح وفد کے ساتھ شیخ صاحب کو پاکستان بھیجا۔ وفد میں مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی، غلام محمد، اور جی ایم شاہ (داماد شیخ عبداللہ) شامل تھے۔ چک لالہ کے ہوائی اڈہ پر وفد کا تاریخی استقبال ہوا۔ لیاقت باغ، راولپنڈی میں نہائت عظیم الشان تاریخی اجتماع زیر صدارت رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس منعقد ہوا۔ سٹیج پر اس وقت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو، وزیر امور کشمیر خان حبیب اللہ خان موجود تھے۔ جب چوہدری غلام عباس نے استقبالیہ خیر مقدمی کلمات میں شیخ صاحب کی توجہ دلائی کہ آج چائینہ کی اہمیت

کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ محمد عبداللہ اتنے لا اُبالی طبعیت کے مالک تھے اور بھارت نوازی کے باعث لگتا ہے کہ حدِ اعتدال کو کھو چکے تھے، ان کے چہرے کا رنگ بدلا اور یہاں تک کہہ گے کہ میں نے آج چین کو دنیا کے نقشے پر دیکھا ہے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ شیخ صاحب اس کے بعد الجزائر کے دورہ پر گئے اور وہاں وزیر اعظم چوائن لائی سے ملاقات ہوئی واپس آئے تو دہلی کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی گرفتار کر لئے گے۔ یہ واقعہ آج سے نصف صدی پیشتر کا ہے۔ اس وقت چوہدری غلام عباس کی دوراندیشی اور تدبر کا ثبوت تاریخ کا حصہ ہے۔ بہر حال لیاقت باغ کے تاریخی اجتماع میں مرزا محمد افضل بیگ کی مختصر تقریر ان کے دل کی عکاس تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم پالم کے ہوائی اڈہ سے روانہ ہوئے تو میرے دل میں طرح طرح کے خیالات تھے کہ آپ لوگ نہ جانے ہم سے کیا سلوک کریں گے۔ مگر آج چک لالہ کے ہوائی اڈئے پر اترے تو آپ کے چہرے پر ہمارے لیے جو خلوص نظر آیا اسے دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

شیخ محمد عبداللہ جدوجہد آزادیٔ کشمیر کے ابتدائی ساتھی چوہدری غلام عباس سے ملنے کیلئے بے چین تھے۔ مگر فضاء میں کچھ رکاوٹیں نظر آئیں تو ڈرائیور کو طلب کیا اور رات گئے اپنی رہائش گاہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ ڈرائیور سے سرگوشی کی کہ چوہدری غلام عباس ادھر ہی کہیں رہتے ہیں۔ کشمیر کے بڑے لیڈر ہیں... اُدھر جانا ہے۔ رات کو تقریباً بارہ بجے ان کی کار 40 میو روڈ پر آ رکی۔ کار سے نکلے، اندر گئے، دستک دی اور پھر آ ملے سینۂ چاکانِ وطن سے سینہ چاک.... کافی دیر باتیں ہوئیں۔

شیخ محمد عبداللہ مظفر آباد میں:

آزاد کشمیر کی قیادت کا باوا آدم ہی نرالا ہے، شیخ محمد عبداللہ راولپنڈی سے مظفر آباد گئے۔ جہاں گورنمنٹ کالج گراؤنڈ میں انہوں نے جلسہ سے خطاب کرنا تھا۔ مظفر

آباد میں ان کا زبردست استقبالیہ ہوا۔انہوں نے جلسۂ عام سے قبل یہ خواہش ظاہر کی کہ پہلے وہ 1947ء سے قبل مظفر آباد میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں غلام رسول گھڑی ساز اوران کے دیگر ساتھیوں کے گھروں میں جائیں گے، پھر جلسہ گاہ آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوااور 27 سال بعد بھی ان کو اپنے کارکن نہ بھول سکے۔ یہ ہے ایک لیڈر کی کارکنوں بارے سوچ۔ جبکہ ہمارے آزاد جموں وکشمیر میں زعماء کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہ اپنے عظیم ساتھیوں کوان کے کیے کی سزا دیتے ہیں، جزاء کی ان سے توقع ہی نہیں ہے۔

کالج گراؤنڈ مظفر آباد میں شیخ محمد عبداللہ نے ایک تاریخی جلسہ سے خطاب کیا۔اس سے قبل مظفر آباد میں ان کے دورہ کے میزبان راجہ محمد حیدر خان نے جو تقریر کی وہ ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ راجہ صاحب نے 1947ء کو شیخ صاحب کے بھارت نوازی کے فیصلہ اور اس کے نقصانات کا جو تجزیہ کیا، سامعین نے بے حد پسند کیا۔ راجہ محمد حیدر خان نے کہا شیر کشمیر! اگر تو آپ بھارتی حکومت کی جانب سے کوئی ذمہ داری اور پروگرام لیکر آئے ہیں تو تاریخ آپ سے ماضی کے فیصلہ کے ازالہ کا تقاضہ کرتی ہے۔ پوری ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان بلکہ ملتِ اسلامیہ آپ کی احسان مند ہوگی کہ آپ تدبر، دوراندیشی سے ریاست جموں وکشمیر کے عوام کو اذیت سے نکالیں۔ بہر حال جلسہ کے دوران اطلاع آئی کہ وزیراعظم ہندوستان پنڈت نہرو دنیا چھوڑ گئے ہیں تو شیخ صاحب اپنا دورہ ادھورا چھوڑ کر بھاگم بھاگ پنڈی پہنچے اور وہاں سے واپس دہلی روانہ ہوگئے۔ یوں جموں وکشمیر کے حرماں نصیب مسلمان یہ سوچتے رہ گئے کہ ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک؟

رئیس الاحرار پر بیماری کا حملہ:

چوہدری غلام عباس نے سولہ سال تک ڈوگرہ مہاراجہ کی جیلیں کاٹیں۔

پاکستان ہجرت کی تو یہاں آ کر اپنوں کے چرکوں پہ چرکے برداشت کیے۔ کئی بار یہاں بھی قید ہوئے۔ ایجنسیوں نے ان کو پاکستان کیلئے گرانقدر خدمات کا صلہ ذہنی اور فکری طور پر اس قدر اذیت دی کہ سینہ میں کینسر کے موذی مرض کا شکار ہو گئے، مگر کارکنوں کو ہمیشہ تلقین کرتے رہے... پاکستان ہمارا قلب وجگر ہے۔ ہماری جانِ آرزو ہے۔ خبردار کوئی حرفِ شکائت زبان پر نہ لانا۔ یہ تربیت اس مردِ درویش، مردِ قلندر کی تھی کہ آزاد جموں وکشمیر کا چپہ چپہ پاکستان کا دفاعی حصار بن گیا اور دشمن خواہش کے باوجود شب خون نہ مار سکا۔ آپ کا دل کا عارضہ لاحق ہوا تو علاج کے لیے انگلینڈ تشریف لے گئے اور بائی پاس کروا کر واپس تشریف لائے تو چند دنوں بعد پھر تکلیف ہوئی۔

چودھری صاحب میو ہسپتال لاہور میں:

دسمبر 1964ء میں تحریکِ الحاق پاکستان کے قافلہ سالار چوہدری غلام عباس کو خون کی قے ہوئی۔ یہ کینسر کے موذی مرض کا حملہ تھا۔ آپ میو ہسپتال لاہور میں داخل ہو گئے۔ ہر طبقہ خیال کے زعماء تیمارداری کیلئے آتے۔ کئی حضرات نے چوہدری صاحب کو مالی تعاون کی پیشکش کی مگر آپ نے قبول نہ کی۔ عام امداد یا مالی تعاون کیا وہ مردِ قلندر تو کروڑوں روپوں کو بھی پائے حقارت سے ٹھکراتے تھے۔ آپ کے بارہ میں جدوجہد آزادیٔ کشمیر کے بانی رہنماء جناب اے۔ آر۔ ساغر کی رائے تاریخ کا حصہ ہے۔ ساغر صاحب کہتے ہیں:

''چودھری صاحب طبیعت کے لحاظ سے انتہائی نفیس مزاج، رکھنے اور کھانے پینے کے معاملہ میں ابوالکلام آزاد کی طرح شستہ مزاج رکھتے تھے۔ سماجی لحاظ سے ان سے ستھرا آدمی شاذ ہی کوئی ملے۔''

آپ عبادت گذار اور تہجد گزار تھے۔ چوہدری غلام عباس نے جدوجہد

آزادیٔ کشمیر کے دوران امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ سے دست بیعت حاصل کیا تو پیر کا رنگ طبعیت پر غالب آ گیا اور کبھی تہجد کی نماز قضاء نہ کی۔ وفات سے تھوڑی دیر قبل سید عبداللہ شاہ آزاد نے پوچھا کوئی آخری خواہش؟ تو نقاہت کے دوران کہنے لگے جس دن سے حضرت پیر جماعت علی شاہؒ کا دامن تھاما کبھی تہجد کی نماز قضاء نہ ہوئی۔ مگر جب سے بیماری خصوصاً اس موذی مرض کا شکار ہوا ہوں مجھ سے تہجد کی نماز چھوٹ گئی ... یہ افسوس دل میں رہے گا۔ رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کو موروثی سیاست سے نفرت تھی۔

قائد ملت کی زندگی کا خاص پہلو:

چودھری غلام عباس سیاست کے شہسوار ہی نہیں زاہدِ شب بیدار، سلوک و معرفت کے رموز کے پیکر بھی تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ المعروف محدث علی پوری سے دستِ بیعت بھی حاصل تھا، جبکہ حضرت امیر ملتؒ نے آپکو خلافت بھی عطا کی اور خود ہی دستار بندی بھی کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب آپ نے اپنے مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ روزانہ رات کو تہجد میں ایک سو نوافل پڑھتے۔ یہ چوہدری صاحب کا معمول تھا۔ تاہم آپ کی زندگی کے اس پہلو کا بہت کم اور خاص ساتھیوں کو علم تھا۔ کھانے میں اس حد تک احتیاط کرتے کہ ایک بار ان کے بھائی (چیف انجنیئر چوہدری زبیر) کے گھر سے ایک ضیافت کا کھانا آیا مگر چودھری صاحب نے اس میں سے ایک لقمہ تک نہ لیا۔ اس احتمال سے کے بھائی انجنیئر ہیں۔ اس ضیافت میں کسی آمیزش کے احتمال سے انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ اس قسم کے درجنوں واقعات رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی زندگی سے منسلک تاریخ کا حصہ ہیں۔

جب تک تحریکِ آزادی کشمیر کو اس مرد درویش (رئیس الاحرارؒ) کی قیادت حاصل رہی یہ تحریک جوبن پر رہی۔ جب تک آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس ان کے اصولوں پر قائم رہی بے شمار رکاوٹوں اور طوفانوں کو عبور کرتی رہی۔ اپنے ان اعلیٰ اصولوں اور پروگرام کی بنیاد پر ملتِ اسلامیہ پاکستان کی آنکھوں کا تارہ رہی۔ مقام افسوس ہے کہ 1980 کے بعد بالخصوص 1985ء کے دوران اور بعد میں صاحبانِ اقتدار نے رئیس الاحرار کے اصول اور قدریں خاک میں ملا کر ان کی قائم کردہ جماعت سے روحِ بلالی چھین لی۔ اور ایک نیا اصول متعین کیا کہ اقتدار کے حصول کیلئے مسلم کانفرنس کو جس حد تک، جیسے چاہیں استعمال کریں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مسلم کانفرنس آج اپنے چراغوں کی روشنی سے محروم شہدا کی روحوں سے زیادتی پر فریاد کناں ہے۔

مسلمانانِ جموں کشمیر پر دوبارہ قیامت صغریٰ برپا ہونا:

1931ء کی تاریخی جدوجہد 1947ء کو پاکستان کے نام پر جموں میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی شہادت اور 1958ء کی مشہور زمانہ تحریک سے عالمی ضمیر کو بیداری نہ ملی اور ہمالہ کے چشمے اُبلنے کی بجائے خاک آلود ہو کر خشک ہونا شروع ہو گئے تو جموں و کشمیر کے حرماں نصیب مسلمانوں نے اپنے وطن عزیز کی آزادی کیلئے کمر ہمت باندھی۔ 1965ء میں مجاہدین نے انڈین آرمی کو ناکوں چنے چبوائے۔ 1965ء کے معرکۂ آزادی کا سارا زور صوبہ جموں کے علاقے تھے، تاریخ کی بدقسمتی یہ رہی کہ 1947ء کی طرح ایک بار پھر جب جموں و کشمیر کے حرماں نصیب مسلمانوں پر قیامت صغریٰ برپا ہوئی تو اس کا سارا زور ریاسی، نوشہرہ، راجوری، مینڈھر، سرن کوٹ میں رہا جبکہ وادی کشمیر مکمل طور پر پرامن رہی۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ انڈین آرمی مجاہدین کے سامنے بے بس ہو گئی اور بھارت نے کشمیر میں ڈر کے مارے اپنی تمام فوجوں کا رخ

سیالکوٹ اور لاہور کی طرف کرتے ہوئے ایک غیر اعلانیہ جنگ چھیڑ دی۔ اور راجستان تک ایک طویل محاذ کھول دیا۔ گھمسان کی جنگ لاہور اور چونڈہ (سیالکوٹ) پر ٹینکوں کی چڑھائی اور پاک فوج کے ساتھ سویلین آبادی کے وطن پر قربان ہونے کے جذبہ نے بھارتی فوجوں کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے۔ سرگودھا میں سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم کی بھارتی ایئرفورس پر کاری ضربیں تاریخ کا حصہ ہیں۔ پاک فوج کا ہر جوان مبارک باد کا مستحق ہے اور بلاشبہ یہ فوج ملت اسلامیہ کا اثاثہ ہے۔ خدا نگہبان ہو۔

ایک نہائت افسوسناک امر:

یہ نہائت توجہ طلب ہے کہ اس بار بھی جدوجہد آزادیٔ کشمیر کا سارا زور صوبہ جموں کے سرحدی علاقے تھے۔ وادی کشمیر میں فضاء پرامن رہی۔ 1947ء میں جموں کی آخری کونے سے لیکر پورا شہر خون کے دریا سے گزرا۔ تین لاکھ مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ دیئے گے۔ ریاسی، نوشہرہ، راجوری، مینڈھر کے علاوہ میرپور، بھمبر، کوٹلی اور پونچھ میں معرکے ہوئے مگر وادی کشمیر میں پتہ بھی نہ ہلا بلکہ شیخ عبداللہ نے جدوجہد آزادیٔ کشمیر میں شریک مجاہدین کو بیرونی حملہ آور قرار دیا۔ تاریخ میں آج تک یہ سوالیہ نشان ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ تو اس کا واضح جواب ہے کہ اس ساری صورت حال کے ذمہ دار شیخ محمد عبداللہ اور ان کا نام نہاد ''نیشنل ازم'' ہے۔ جو قومی دھارے سے الگ تھلگ رہے۔ جب وادی کشمیر کے مسلمانوں پر حقیقت آشکار ہوئی تو بھارتی ترنگے کے زیر سایہ ریاستی انتخابات میں محبوبہ مفتی کے ہاتھوں شیخ جی کی فکر کے وارث ان کے حقیقی بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو شرمناک شکست ہوئی۔

1965ء کے مہاجرین:

1947ء کی طرح 1965ء میں بھی ہزاروں مہاجرین ہجرت کر کے آزاد

کشمیر آئے۔ چھمب، جوڑیاں کے مختلف دیہات میں ان مہاجرین کی اکثریت کو آباد کیا گیا۔ یہیں بانیاں میں تحریک آزادیٔ کشمیر کے محرک، تحریکِ پاکستان کے رہنماء حاجی علامہ محمد حبیب اللہ شاہ ضیا شورش جبالی ؒ محوخواب ہیں۔ ان کے صاحبزادے سید افتخار حسین شاہ نثار منجھے ہوئے سیاسی کارکن اور سوشل ورکر ہیں۔ جوش وجذبے میں کچھ نہ کچھ باپ کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حاجی لال حسین قلندر ایک درویش منش سیاسی وسماجی رہنما ہیں جبکہ آپ کے سجادہ نشین سید ضیاء الحسنین نسیم ایک متحرک سماجی شخصیت اور پرائیویٹ سیکٹر کے ایک اہم صنعتی ادارے میں ذمہ دار پوسٹ پر تعینات ہیں۔

مہاجرین 1965ء کی آبادکاری:

مہاجرین 1965ء کی بڑی تعداد راہ والی کالونی گوجرانوالہ میں آباد ہوئی۔ یہیں تحریکِ آزادی کشمیر کے شیر دل رہنماء ملک نعمت اللہ (المعروف چوہدری نعمت اللہ) مدفون ہیں۔ ایک بڑی تعداد میں مہاجرین جھنگ میں آباد ہوئی۔ یہیں ان کا خمیر تھا اس زمین پاک کیلئے ہی انہوں نے اعلیٰ مقاصد کیلئے قربانیاں دیں۔ انہیں میں تحریک آزادیٔ کشمیر کے نامور مجاہد، ادیب، صحافی ملک زبیر زخمی کی آخری آرام گاہ ہے۔ بڑی تعداد میں 1965ء کے مہاجرین میرپور میں ہی ٹھہر گئے۔ انہی میں مرحوم مقبول احمد رضا راجوروی بھی تھے۔ میرپور میں رہنے والے یہ مہاجرین مختلف کاروبارِ ہائے زندگی میں میں شریک ہوئے اور بڑے کامیاب ٹھہرے۔

قائد ملت کے بعد مسلم کانفرنس کا عروج وزوال:

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس 18 دسمبر 1969ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار فیض آباد (راولپنڈی) میں ہے۔ یہ زمین انجمن فیض الاسلام کی

ملکیت تھی ۔ ادارۂ فیض الاسلام کے اس وقت کے صدر میاں حیات بخش اور ان کے ساتھیوں نے قائدِ ملت کے نام کچھ زمین ہبہ کی تب جا کر تحریکِ آزادی کشمیر کے بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے معتمد ساتھی چودھری غلام عباسؒ یہاں دفن کیے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رئیس الاحرارؒ کی وفات کے بعد دو تین سالوں میں سردار محمد عبدالقیوم خان نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو مضبوط کرنے کیلئے بڑی محنت کی اور یہ بات بھی بطور خاص قابلِ ذکر ہے کہ ان دو تین سالوں میں جماعت کی تنظیم کیلئے جن لوگوں نے سردار صاحب کے ہاتھ مضبوط کئے ان میں سرِفہرست سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ اور ان کے درجنوں عزیز کارکن تھے، جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔ اس کے علاوہ گوجرانوالہ سے مولوی عبدالعزیز راجوروی، عباس پور سے فرید شاہ گیلانی، میرپور سے ڈاکٹر محمد یعقوب ظفرؔ، کیپٹن محمد سرفراز خان مسلم کانفرنس کے سنیئر رہنماء جماعت کے اخراجات کیلئے پیش پیش رہتے تھے۔ ان کے علاوہ مولوی عبدالباری، نذیر احمد شاہ، خواجہ عبدالصمد وانی، مرزا غلام رسول بیگ، بشارت احمد شیخ، سردار محمد الطاف، ملک غلام علی کی جماعتی تنظیم کیلئے کاوشیں تاریخ کا حصہ ہیں۔

لیاقت روڈ پر مسلم کانفرنس کا مرکزی دفتر:

لیاقت روڈ راولپنڈی نشاط سینما کے سامنے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا۔ دفتر کے کل دو کمرے تھے جن میں سے ایک صدر جماعت اور دوسرا سیکرٹری جنرل کیلئے مختص تھا۔ ایک سٹور اور چھوٹا سا ہال بھی اس بلڈنگ کا حصہ تھا سٹور میں لکڑی کے پھٹے جوڑ کر سیکرٹری جنرل محمد علی کنولؔ نے اپنے لئے بستر بنا لیا۔ ہال میں لکڑی کی ڈیڑھ درجن کرسیاں تھیں اور ... ایک چٹائی، نہ فیکس، نہ فون سارا کام کاربن پر ہوتا۔ سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ کی ہدائت پر مصنف نے اس مرکزی دفتر کا چارج

سنبھالا۔ خواجہ عبدالرحمن دفتر کے چپڑاسی اور کک کا بھی کام کرتے۔ تیل کا چولہا رکھا ہوا تھا۔ فرید شاہ گیلانی اور سید نذیر احمد شاہ دفتر کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لیتے۔ مسلم کانفرنس کا یہ مرکزی دفتر برنالہ سے لیکر کیل اور پشاور سے کراچی تک کارکنوں کے رابطہ کا ایک ایسا ذریعہ تھا کہ ملک کے طول وعرض سے کارکن آتے، گھنٹوں دفتر میں ٹھہرتے۔ ایک ایسی فضاء کہ گھر کا ماحول، ہر کارکن کا گھر یہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا مرکزی دفتر تھا۔ جماعت کے ادنیٰ کارکن سے لیکر جماعت کی اعلیٰ قیادت تک ایسا مثالی تعلق قائم تھا کہ پاکستان کی دیگر قومی جماعتوں کے کارکن اس کو دیکھ کر حیران ہوتے۔ صرف مسلم لیگ ہی نہیں پاکستان کی دائیں اور بائیں بازو کی جماعتوں اور ہر مکتبہ فکر سے رابطہ ہوتا علماء، مشائخ اور وکلاء بھی آتے... گویا کہ پوری ملت کیلئے یہ ایک لٹریسی آفس تھا۔

پاکستان مسلم لیگ کے کارکن اور تحریکِ پاکستان کے رہنماء اکثر و بیشتر آتے۔ سید غلام مصطفی شاہ، سید خالد گیلانی، گجرات سے صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی، خواجہ محمود احمد منٹو ایڈوکیٹ آتے۔ پاکستان کی عظمت وسربلندی کیلئے بنائے گے سٹکرز کو دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہوتا۔ وہ مسلم لیگ کے جلسوں میں جاتے تو کہتے کہ اس وقت پاکستان کی بنیادی اساس پر صرف قائد ملت چوہدری غلام عباس کی جماعت کے کارکن کام کررہے ہیں۔ آج آزاد جموں وکشمیر میں وہ پرانے کارکن جو حیات ہیں اس بات کی گواہی دیں گے کہ اس میں ذرّہ بھر مبالغہ نہیں۔ یہی دور مسلم کانفرنس کے عروج کا دور تھا آخر ایسا کیوں تھا اور ثریا سے زمین پہ آسمان نے مسلم کانفرنس کو کیوں دے مارا؟ اس کا جواب تاریخ میں تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں، بلکہ سیاست میں پرائمری کا طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ 1970ء تک تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے دو ٹھیکیداروں کا دور دور تک کہیں نام ونشان نہیں ملتا تھا۔ مسلم کانفرنس میں گروپ بندی اور افسوسناک انتشار

1980ء کے بعد در آیا جس نے مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم کر دی۔ اس کی تفصیل بھی اپنے مقام پر آگے انشاء اللہ آئے گی۔

آزاد کشمیر میں عام انتخابات کیلئے نگران حکومت کا قیام:

حکومت پاکستان نے پہلی بار آزاد جموں وکشمیر میں عام انتخابات کا فیصلہ کیا جس کی روشنی میں آزاد جموں وکشمیر کی پہلی قانون ساز اسمبلی قائم ہوئی، جس میں کل 24 نشستیں رکھی گئیں۔ 16 آزاد کشمیر اور 8 مہاجرین مقیم پاکستان کیلئے۔ اس نگران حکومت کے صدر بریگیڈئر عبدالرحمن مقرر ہوئے جبکہ آزاد کشمیر کی تین بڑی جماعتوں کا ایک ایک نمائندہ بطور وزیر کابینہ میں شامل کیا گیا جنکے نام یہ ہیں۔ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس سے سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ (سوہاوہ ضلع جہلم) آزاد مسلم کانفرنس سے سید نذیر حسین شاہ ایڈوکیٹ (راولپنڈی) اور جموں کشمیر لبریشن لیگ سے راجہ ذوالقرنین خان آف کسگمہ۔

آزاد جموں وکشمیر کے صدارتی امیدوار:

آزاد جموں وکشمیر میں صدر کے عہدے کیلئے تین امیدوار تھے اور حلقہ انتخاب سارا آزاد جموں وکشمیر اور کراچی سے لیکر پشاور تک مہاجرین جموں وکشمیر کے ووٹ۔ یہ براہ راست انتخابات تھے اور ون مین، ون ووٹ کی بنیاد پر ریاستی صدر کا انتخاب کیا جانا تھا۔ آل جموں وکشمیر کے امیدوار سردار محمد عبدالقیوم خان تھے جنہیں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے نامزد کرنا تھا۔ ان کا انتخابی نشان گھوڑا تھا۔ آزاد مسلم کانفرنس کے امیدوار سردار محمد ابراہیم خان تھے، انہیں چوہدری نور حسین کی قیادت میں جاٹ برادری کی مکمل حمائت حاصل تھی۔ سردار محمد ابراہیم خان کا انتخابی نشان چھتری تھا۔ جموں وکشمیر لبریشن لیگ کے صدارتی امیدوار جناب کے۔ ایچ۔ خورشید تھے جن کا انتخابی

نشان لالٹین تھا۔

سردار محمد ابراہیم خان اور جناب کے۔ایچ۔خورشید اپنی اپنی انتخابی مہم شروع کر چکے تھے۔ جناب کے ایچ خورشید کے ساتھ باغ سے سید حسن شاہ گردیزی بھی تھے۔ان کی الیکشن مہم کے انچارج خواجہ منظور الحق ڈار تھے۔سردار محمد ابراہیم خان کے آفس انچارج کے،بی خان تھے اور الیکشن کمیٹی کے انچارج سید عنائت اللہ شاہ اور سردار اسیاب خالد تھے۔

مجلسِ عاملہ نے سردار عبدالقیوم خان کی مخالفت کی:

8 نومبر 1969ء کو نور پور سیداں (سوہاوہ) میں سید عبداللہ شاہ آزاد کی رہائش گاہ پر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں آئندہ سال کیلئے جماعت کی صدارت اور آزاد ریاست جموں و کشمیر کی صدارت کیلئے مسلم کانفرنس کے امیدوار کی منظوری درکار تھی اور دوسرے روز میر پور میں جنرل کونسل نے اس کی توثیق کرنا تھی۔نور پور سیداں میں اجلاس شروع ہوا تو مسلم کانفرنس کے سنیئر ارکان مجلس عاملہ نے کھل کر اس بات پر اختلاف کیا کہ 1962ء کو بی۔ڈی (بنیادی جمہوریتوں) کے انتخابات میں سردار محمد عبدالقیوم خان، جناب کے ایچ خورشید کے مقابلہ میں شکست کھا چکے ہیں، لہٰذا اب کی بار کسی اور سنیئر رہنما کو امیدوار بنایا جائے۔مسلم کانفرنس کے بزرگ رہنماء غازی الٰہی بخش، پیر سید علی جان شاہ، مولوی عبدالعزیز راجوروی، خواجہ محمد اقبال بٹ اور کچھ اور ارکان نے پیر علی جان شاہ صاحب کو ترجمانی کیلئے کہا۔(اس وقت تک پیر علی جان مسلم کانفرنس میں شامل اور اس کے سرگرم رہنما تھے) پیر صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ایک ہی شخص کو بار، بار جماعت کا صدر بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ جبکہ جماعت کے اندر اور بھی بڑے پائے کے سنیئر ساتھی موجود ہیں۔محفل کا رنگ دیکھ کر

سردار صاحب نے کہا کہ ... اچھائیوں کریں میں باہر چلا جاتا ہوں۔ آپ فیصلہ کرلیں۔ میں اس فیصلہ کی حمائت کرونگا۔ لیکن سید عبداللہ شاہ آزاد نے سردار صاحب سے کہا آپ تشریف رکھیں باہر نہ جائیں۔ انہوں نے مسلم کانفرنس کے بزرگ رہنما سید ولی شاہ مجاہد کو اشارہ کیا کہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ولی شاہ مجاہد اُٹھے اور کہنے لگے کہ جہاں تک غازی کشمیر غازی الٰہی بخش کا تعلق ہے، بلاشبہ جماعت میں وہ قابل احترام سنیئر رہنماء ہیں اور دیگر ساتھی بھی مسلم کانفرنس میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ مگر زمینی حقائق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت فقط جماعت کی صدارت کا مسئلہ نہیں۔ آزاد جموں وکشمیر میں انتخابات ہو رہے ہیں اور ان انتخابات مین ہمارے مدمقابل بڑے قد کاٹھ کے امیدوار ہیں اور دائرہ انتخاب اتنا وسیع ہے کہ جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے میں غازئ کشمیر اور دیگر ساتھیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ محترم سردار محمد عبدالقیوم خان کی نہ صرف حمائت کریں بلکہ انتخابات میں ان کی کامیابی کیلئے تمام تر کوششیں بروئے کار لائیں۔ اس پر ارکان مجلس عاملہ نے سید ولی شاہ مجاہد کی تجویز کی حمائت کی اور یوں آئندہ جماعت کی صدارت کیلئے سردار صاحب کا نام تجویز ہوا اور سردار صاحب آزاد جموں وکشمیر کے صدارتی انتخابات میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے امیدوار ٹھہرے۔ یہ تاریخ کے ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں محفوظ ہیں۔

غازی منزل پر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس:

9 نومبر 1969ء کو میر پور میں غازی منزل پر آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں مجلسِ عاملہ میں سردار صاحب کی نامزدگی کی توثیق کی گئی۔ مسلم کانفرنس کی تاریخ میں جنرل کونسل کے دو چار جو بھرپور اجلاس ہوئے یہ اجلاس ان میں ایک تھا۔ نہائت پرشکوہ اور شاندار اجلاس۔ جس میں تحریک پاکستان کے سنیئر

رہنماء حضرت پیر سید عبدالطیف (زکوڑی شریف) حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب جماعت اسلامی پنجاب کے امیر مولانا فتح محمد اور دیگر جماعتوں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ مسلم کانفرنس میں قرار دادوں پر تبصرے اور دھواں دار تقریروں کے شور شرابے میں سردار صاحب کارکنوں کو خاموش رہنے کا مشورہ دیتے تو سناٹا چھا جاتا۔ اس پر حضرت پیر عبدالطیف زکوڑی شریف نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

... ''میں نے آل انڈیا کانگریس کے جلسے دیکھے ہیں میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسوں میں بھی تقریریں کی ہیں مگر جو ڈسپلن جو کارکن اپنے قائد کا احترام کرتے ہیں وہ مسلم کانفرنس میں دیکھا وہ کہیں نظر نہیں آیا۔''

الغرض یہ اجلاس کسی منجھی ہوئی پارلیمنٹ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ اے کاش! آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس میں یہ ڈسپلن، کارکنوں کا اپنے قائد پر اعتماد اور قائد کی کارکنوں سے شفقت اور مسلم کانفرنس کے اندر پیار، محبت گھر کا ماحول 1970ء تک ہی قائم رہا۔ 1970ء کے انتخابات ہوئے اور پھر بقول شاعر وہی بات کہ:

.... منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے!

وہ لوگ جو سردار صاحب کو کندھوں پر بٹھا کر صدارتی کرسی تک لائے تھے۔ محترم مجاہد اوّل نے یکسر ان سے نظریں پھیر لیں۔ ڈاکٹر سلام الدین نیاز جیسے انجانے چہرے تلاش کر کے لائے گئے، جو وزارت کے مفت مزے لوٹنے کے بعد ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ پھر وہ لوگ سردار صاحب کی ناک کا بال اور مسلم کانفرنس کے لیے وبال بن گئے جو زندگی بھر قائد ملت اور مسلم کانفرنس کے کھلے مخالف رہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

صدارتی انتخابی مہم کے دوران سردار صاحب کا دورۂ کوہ مری:

صدارتی امیدوار نامزد ہونے کے بعد محترم سردار صاحب کوہ مری تشریف لائے۔غور کیجیئے سارے آزاد جموں و کشمیر کی انتخابی مہم اور کراچی سے پشاور تک کے مہاجرین سے رابطہ کا پروگرام اور اتنی طویل مہم کیلیئے زادِ راہ فقط ایک ٹیکسی کار اور ہمراہ راجہ محمد افضل نامی نوجوان پینٹ شرٹ پہنے..... اس طرح محترم سردار صاحب اتنی بڑی انتخابی مہم پر نکلے۔قریشی ہوٹل کوہ مری میں پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔صفدر قریشی (خالد قریشی کے والد) نے کہا سردار صاحب! فقط ٹیکسی کار پر اتنی بڑی مہم حیرانی کی بات ہے! چنانچہ قریشی صاحب نے لفافے میں کچھ رقم پیش کی۔

سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے مال روڈ مری کے معروف کیفے ''لینٹاٹ'' میں سردار صاحب کو بھرپور استقبالیہ دیا۔اس میں محترم سردار صاحب نے تقریر کرتے ہوئے جماعتی ساتھیوں کی عدم دلچسپی پر جن الفاظ میں شکوہ کیا ان سے ان کی مایوسی کا اظہار ہوتا تھا ۔تاہم سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے تسلی دیتے ہوئے کہا جناب مجاہد اوّل! آپ مطمئن رہیں ۔یہ انتخاب میرے عزیز لڑیں گے اور دنیا دیکھے گی۔چنانچہ حضرت سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے چھوٹا گلہ، راولاکوٹ، کوٹلی، چھمب، سرائے عالمگیر، چکوال اور جہلم میں پیغامات بھیجے اور تمام عزیزوں کو نور پور سیداں طلب کیا اور ان کی چھ ٹیمیں تشکیل پائیں اور ہر ٹیم کے پاس اپنا لاؤڈ اسپیکر تھا یہ کارکن اپنے اپنے علاقہ میں پھیل گے۔

مصنف اور چھمب کے کارکن سید غلام رسول شاہ انقلابی، سید نور محمد شاہ، سید عبداللہ شاہ و دیگر بمعہ لاؤڈ اسپیکر کے سردار صاحب کے ہمراہ، حاجی سید طسین شاہ صاحب کی ٹیم اور چھوٹا گلہ سے سید غلام احمد شاہ اپنے کارکنوں کو لے کر دارلخلافہ مظفر آباد اور اس کے مضافات میں پھیل گئے اور تمام سفر کے دوران لاؤڈ سپیکر کی بیٹریاں اٹھائے

پھرتے رہے۔ چکوال سے مرحوم مظفر حسین نسیمؔ اور سید محمد غوث ہزاروی، سید سرفراز حسین راحلؔ، سید گلزار حسین کو اپنے ضلع کی ذمہ داری سونپی گئی۔ حاجی یعقوب شاہ اور سید فدا حسین راجوروی، محمد شاہ مسلم، ایس محمد شاہ، ہدائت اللہ شاہ، اعجاز اختر، سید وارث علی شاہ ،ہیڈ ماسٹر غلام احمد شاہ، سید محمد سرور شاہ جہلم، گجرات کے علاوہ میر پور میں ڈاکٹر یعقوب ظفر کی معاونت پر مامور کئے گے۔ یہ ہیں تاریخی حقائق.. اس طرح لاؤڈ اسپیکر کی آواز اور گھوڑے کا نشان عام لوگوں کی زبان پر آیا، کہ گاؤں گاؤں قریہ قریہ چھوٹے بچے ٹولیاں بنا کر گاتے، گھوڑے کو ووٹ دو۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ساری فضاء ہی تبدیل ہوگئی۔

مرکزی دفتر سے انتخابی مہم پر روانگی کا نظارہ:

جب کارکنوں نے انتخابی مہم میں جوش وخروش پیدا کر دیا تو ایک پروگرام کے تحت جناب سردار صاحب مرکزی دفتر سے نکلنے لگے اور یہ پروگرام طے کرنے والے سردار عبدالغفار خان تھے۔ دو، دو، تین تین سو گاڑیوں کے جلوس ترتیب دیئے یہ فن ان کو ہی آتا تھا۔ اب سردار صاحب ٹیکسی کاریں میں نہیں بلکہ مرسڈیز یا ٹیوٹا کاریں نکلتے۔ یہ کار سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کی ذاتی ملکیت تھی اور ڈرائیو صاحبزادہ سید شوکت علی کر رہے ہوتے اور ان سے آگے کھلی جیپ پر لاؤڈ اسپیکر ہاتھ میں لئے مصنف ترانے پڑھتا جاتا۔ مرکزی دفتر سے پلندری، راولاکوٹ، باغ، کوٹلی، بھمبر، مظفر آباد تک ترانے ہوتے۔ جو ماضی کا قصہ ہیں کہ یاد ماضی عذاب ہے یا ربّ۔ سنیئے ترانے ایک جوش جذبے سے سردار صاحب کی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے:

اُٹھ جاگ مسلماں ہوش میں آ　　وہ دیکھ مجاہد ہے آیا
ہے خالد وطارق کا جذبہ　　اور جرأت ہمت ٹیپو کی

یہ عظمتِ ملت کا داعی پیغامِ اخوت ہے لایا
اُٹھ جاگ مسلمان ہوش میں آ
وہ دیکھ مجاہد ہے آیا

انتخابی مہم کیلئے پلندری روانگی:

مرکزی دفتر مسلم کانفرنس (لیاقت روڈ راولپنڈی) سے ڈیڑھ دو سو کاروں، ویگنوں کا جلوس پلندری کیلئے روانہ ہوا۔ سردار صاحب سید عبداللہ شاہ آزاد کی کار پر سوار تھے۔ سید شوکت علی شاہ کار چلا رہے تھے۔ خواجہ عبدالصمد وانی، بشارت احمد شیخ بھی قافلے میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ گاڑی میں مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل خواجہ محمد علی کنول بھی تھے۔ جلوس ریسٹ ہاؤس پلندری پہنچا۔

آدھ گھنٹہ رُکنے کے بعد شہر میں جلسہ گاہ کیلئے روانگی ہوئی۔ مسلم کانفرنس کے مقامی رہنما سردار اشفاق احمد خان، سردار الطاف حسین خان، سردار محمد صدیق خان، سردار محمد نواز خان (مرحوم)، کیپٹن محمد عظیم خان (مرحوم) اور عبداللہ بٹ (مرحوم) استقبالی ہجوم کے ساتھ موجود تھے۔ روانگی کے وقت محترم سردار صاحب نے ہمیں بلا کر ہدایات دیں کہ یہ علاقہ ماضی میں بڑی تلخی کا مرکز رہا ہے۔ خصوصاً قائد ملت چوہدری غلام عباس کے نام پر یہ حساس علاقہ رہا ہے۔ اس لئے یہاں نعرے لگاتے وقت جوش و خروش کی بجائے ہوش اور احتیاط سے کام لیں۔ چوہدری صاحب کے نعرے ذرا کم لگائیں۔ گاڑیاں ریسٹ ہاؤس کے احاطہ میں چھوڑ کر جلوس پیدل روانہ ہوا۔ ہم محترم سردار صاحب کو تھوڑا پیچھے چھوڑ کر کچھ فاصلے پر آ گئے۔ دائرہ بنایا گیا اس دائرے میں مجاہد عبداللہ بٹ ناچ رہا تھا۔ صاحبزادہ شوکت علی شاہ، سردار محمد صدیق خان، سردار محمد نواز خان (مرحوم) اور کچھ دوسرے کارکنوں نے ایک دوسرے کے بازو پکڑے ہوئے تھے۔ مصنف کے ہاتھ

میں بیٹری والا لاؤڈ اسپیکر تھا ہم نے آہستہ آہستہ نعرے لگانا شروع کیے شہر کے قریب پہنچ کر جوش وخروش میں اضافہ ہوا تو بلند آواز سے نعرے شروع ہوئے۔

— بانی تحریک آزادی کشمیر قائد ملت چوہدری غلام عباس زندہ باد

— قائد ملت کا فرمان..... کشمیر بنے گا پاکستان

— تحریک الحاق پاکستان کے علمبردار چوہدری غلام عباس زندہ باد

.... یہ نعرے لگ چکے تو مصنف نے ترانہ شروع کر دیا....

اُٹھ جاگ مسلماں ہوش میں آ　　وہ دیکھ مجاہد ہے آیا
ہے خالد و طارق کا جذبہ　　اور جرأت ہمت ٹیپو کی
یہ عظمتِ ملت کا داعی　　پیغامِ اخوت ہے لایا
اُٹھ جاگ مسلمان ہوش میں آ

غازی علی رضا، سردار محمد ابراہیم خان کے پرانے ساتھی تھے، وہ قریب آئے سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کیا آپ وہی عبداللہ شاہ ہیں جنہوں نے جہادِ آزادی کے دوران راجوری سے آکر غازیٔ ملت سے بندوقیں حاصل کی تھیں۔ آزادؔ صاحب نے جواب میں ہاں کی تو غازی علی رضا نے کہا آپ کے کارکنوں کا جوش و جذبہ عام لوگوں جیسا نہیں اس لئے میں پوچھنے آیا۔ الغرض پلندری میں بھرپور جلسہ ہوا۔ لیکن جمعتہ المبارک کا دن تھا، صرف دو تقریریں جناب سردار صاحب اور سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ کی ہوئیں۔

تراڑکھل میں تلخی کا ماحول:

پلندری سے روانہ ہو کر سردار صاحب کا قافلہ تراڑکھل پہنچا۔ تراڑکھل میں کافی تلخی کا ماحول تھا۔ سردار خان بہادر خان (کے۔بی خان) کے حامیوں نے جلسہ میں بجلی

کی تاریں کاٹ دیں۔ چھوٹا گلہ سے حاجی محمد عنائت اللہ شاہ بیدار اور سید غلام احمد شاہ اپنے کارکنوں کو لے کر پہنچ گے۔ یہ کارکن نہائت جوش وخروش سے مجاہد اوّل زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ عنائت اللہ شاہ بیدار نے کے۔ بی۔ خان کا گریبان پکڑ لیا جس سے تلخی میں اضافہ ہوا۔ لڑائی جھگڑے کا خطرہ تھا۔ اتنے میں سید محمد عبداللہ شاہ آزاد آگے بڑھے۔ انہوں نے عنائت اللہ شاہ بیدار کو پیچھے ہٹایا اور کے۔ بی خان کا بازو پکڑ کر پوچھا... خان بہادر! یہ بتاؤ ہم تو بطور مہمان آپ کے علاقے میں آئے ہیں کیا آپ لوگ مہمان کی بات سننے کی بجائے اس سے ایسا سلوک کرتے ہیں؟ پھر یہ بتاؤ یہ صدارتی مہم کیلئے غازیٔ ملت اور آپ لوگوں نے پاکستان میں اپنے لوگوں سے رابطہ کیلئے نہیں جانا؟ اگر جانا ہے تو سوچیں کہ راولپنڈی اور دوسرے اضلاع میں اگر ہم بھی ایسا کریں تو پھر باقی کیا رہ جائے گا؟.... میں کہتا ہوں کے غلط روایات کی بنیاد نہ ڈالیں، اس کا نہ آپ کو فائدہ ہوگا نہ ہمیں۔ تب کے بی خان نے اپنے حامیوں کو خاموش رہنے کی ہدائت کی اور ایک اچھے ماحول میں جلسہ ہوا۔

ہجیرہ میں مسلم کانفرنس نے شاندار استقبال کیا۔ تراڑ کھل سے ہم لوگ ہجیرہ پہنچے تو سید نذیر احمد شاہ، سردار محمد یونس خان کی قیادت میں سردار محمد عبدالقیوم خان صاحب کا نعروں کی زبردست گونج میں فقید المثال استقبال کیا گیا جس میں مقام گزشتہ پر ہونے والی تلخی بھی دُھل کے رہ گئی۔

بساہاں شریف والے پیر سید آمین شاہؒ کی نصیحت:

ہجیرہ سے باہر نکلے اور جلوس عباس پور کی طرف روانہ ہونے لگا۔ اس وقت مصنف حسبِ معمول نہائت جوش وجذبے سے کھلی جیپ پر ترانے پڑھ رہا تھا۔ سامنے موڑ پر بساہاں شریف فارورڈ کہوٹہ کے سجادہ نشین حضرت پیر سید محمد امین شاہؒ کھڑے

تھے انہوں نے اشارہ سے قریب بلایا اور سرگوشی کے انداز میں فرمایا کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ غور سے سن لو آج تم جن کے گن گا رہے ہو ان سے تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تمہاری خام خیالی ہے۔... تاہم میں نے ایک ولی اللہ کے مشورہ کو اس طرح نظر انداز کر دیا لیکن جب وقت گزرا اور...... منزل اُنہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے! تو پھر مجھے یاد آیا کہ حضرت پیر سید محمد امین شاہؒ کی باتیں سونے پر سہاگہ تھیں۔

کوٹلی جلسہ عام میں قادیانیوں کا حملہ:

آل جموں و کشمیر کی صدارتی مہم جاری تھی۔ عباس پور سے فارورڈ کہوٹہ، مظفر آباد، چناری، چکوٹھی، لیپہ، اُٹھمقام، کیل کی وادیوں اور پہاڑوں میں کئی جگہ ہم نے لمبا پیدل سفر بھی طے کیا۔ جہاں جیپ نہ جا سکتی تھی وہاں بیٹری والا لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوتا۔ پیدل سفر میں شیخ گلزار احمد فداؔ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ فدا صاحب مصنف کو کہتے آغا جانی! تم تو سخت جان ہو۔ بارہ بارہ گھنٹے لگا تار اسپیکر پر بولتے ہو تھکتے نہیں... میں ان سے کہتا فدا صاحب! آپ نے اور ہم نے اپنا فرض نبھانا ہے!!!

بحمد للہ! ہم نے بجا طور پر اپنا فرض نبھایا مگر جب آخر میں منزل انہیں ملی جو قطعی شریک سفر نہ تھے تو بیچارے گلزار احمد فداؔ کئی بیماریوں کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ برسبیلِ تذکرہ یہ سطور لکھ دیں ورنہ تو 1970ء کے بعد آل جموں و کشمیر کے نظریاتی کارکنوں کو ذہنی و فکری طور پر جو اذیت پہنچائی گئی اس نے ریاست میں نظریاتی تحریک کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ یہ لوگ خود بھی اپنے انجام کو پہنچ گئے اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی بھی ختم کر دی۔ میں صرف کوٹلی آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کے جلسہ عام میں سردار صاحب پر قادیانیوں کے حملہ کا ذکر کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں انتخابی مہم کی بجائے پاکستان میں مقیم مہاجرین سے رابطہ کی طرف آؤں گا۔

کوٹلی میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا بھرپور جلسہ عام لاری اڈہ پر جاری تھا۔ چند قادیانی نوجوان تیزی سے سٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک کے ہاتھ میں پستول تھا، دوسروں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں۔ ان مشتعل قادیانیوں کو دیکھ کر ایم اے سرور (حسین شہید کے والد) نے اپنے بھائی حاجی جماعت علی شاہ مرحوم سے کہا بھائی صاحب یہ قادیانی لڑکے سردار صاحب پر حملے کیلئے آئے ہیں۔ حاجی جماعت علی شاہ نے اچکن اتاری، ایم اے سرور کو ساتھ لیا اور لاٹھیاں لیکر بجلی کی سی تیزی سے پیچھے سے ان نوجوانوں کے سر پر جا پہنچے۔ انہوں نے فسادی قادیانیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ اس طرح لاٹھیاں ان پر برسائیں کہ انہیں ہوش نہ رہا جبکہ پسٹل والے کو پکڑ کر لائے اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ آج جب مصنف نے ماضی کے ان واقعات پر قلم اٹھایا تو ایم اے سرور اور ان کے بڑے بھائی حاجی جماعت علی شاہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، حسین شہید ان کا مشن زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

ساوڑ (تتا پانی) میں استقبالیہ:

جب کوٹلی سے ساوڑ کی طرف روانہ ہوئے تو سردار صاحب کہنے لگے۔ آغا مجھے معلوم نہ تھا کہ جماعت علی شاہ جو لنڈن ریٹرن ہے، اتنی بہادری دکھائے گا۔ میں نے کہا سردار صاحب! جن کی رگوں میں حیدری خون ہوتا ہے وہ وفادار اور بہادر ہوتے ہیں۔ سردار صاحب خاموش ہو گئے۔ ہمارا قافلہ ریاں شریف سے گزر کر ساوڑ کے پہاڑ کو عبور کیا۔ نیچے ایک چشمہ اور ساتھ پرائمری سکول ہے وہاں سے ایک کلومیٹر آگے سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے بڑے بھائی حکیم سید امیر شاہ صاحب (حال مدفون نور پور سیداں) کی رہائش تھی۔ بقیہ آبادی ملک بابو خان اور انکی برادری کی ہے۔ حکیم سید امیر حیدر شاہ صاحب نے چشمہ سے لیکر اپنی رہائش گاہ تک سڑک پر خیر مقدمی بینر اور دو رویہ

جھنڈیاں خوبصورتی سے سجا رکھی تھیں۔ انہوں نے سردار صاحب اور قافلے کو پر تکلف کھانا دیا۔ وہاں سے ہم تتہ پانی کیلئے روانہ ہوئے تو سردار صاحب نے فرمایا۔ آغا شاہی (یہ ان کا تکیہ کلام تھا) واقعی کاغانی سادات بہادر بھی ہیں اور سیاست کرنا بھی خوب جانتے ہیں۔ خدا نے مجھے موقع دیا تو جی کرتا ہے کہ تمہاری برادری کا ایک ایک گھر ہر تحصیل میں آباد کروں تاکہ آپ لوگ دوسروں کو سیاست کے گُر سکھائیں۔ واللہ! یہ سچی باتیں ہیں ان میں کوئی مبالغہ نہیں۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ سردار صاحب جیت گے۔ مگر جیتنے کے فوراً بعد کہیں سے ڈاکٹر سلام الدین نیاز کو تلاش کر کے لے آئے اور ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ سردار صاحب کی ناک کا بال بن گے جو زندگی بھر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے مخالف رہے۔ وزارت کے مزے مفت میں لوٹنے کے بعد یہ سلام الدین نیاز نامی صاحب نجانے کہاں غائب ہوئے.... شائد ان کا اتا پتہ سردار عتیق بتا سکیں؟۔

پاکستان میں انتخابی مہم کا آغاز:

پاکستان میں انتخابی مہم کا آغاز تحصیل چکوال سے (1969ء میں) ہوا۔ سہگل آباد سے چکوال تک سردار صاحب کا پر شکوہ استقبال ہوا۔ مجھے آج تک وہ منظر یاد ہے کہ سہگل آباد سے جلوس کے ساتھ سوہاوہ کے سید محمد سرمد شاہ اور ہیڈ ماسٹر غلام احمد شاہ پیدل دوڑتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے۔

عظمت کا نشان ۔۔۔ سردار عبدالقیوم خان

چکوال شہر میں ظفر ہوٹل کے وسیع لان میں بھرپور جلسہ عام ہوا جس کی صدارت سید ولی شاہ مجاہد نے کی۔ سٹیج سیکرٹری برادر ایس محمد شاہ تھے اور خطبۂ استقبالیہ سید سرفراز حسین راحل نے پڑھا۔ اس جلسۂ عام میں چکوال کے معززین کی بھی اچھی

خاصی تعداد موجود تھی۔ خطبۂ استقبالیہ کے بعد سید ولی شاہ مجاہد اور شہر کی معروف شخصیت خواجہ محمد عمر نے سردار صاحب کو اخراجات کیلئے تھیلی میں کچھ رقم پیش کی۔

چکوال سے سیال شریف کا سفر:

چکوال سے آگے سفر کیلئے سید محمد عبداللہ شاہ آزاد نے سردار صاحب کو اپنی ذاتی گاڑی پیش کی اور ڈرائیور حسبِ معمول صاحبزادہ سید شوکت علی شاہ تھے۔ جہلم، سرائے عالمگیر، کھاریاں، منڈی بہاؤالدین، گجرات، جلال پور جٹاں اور ٹانڈہ میں انتخابی اجتماعات ہوئے۔ گجرات شہر میں عظیم الشان جلسۂ عام چوک پاکستان میں ہوا۔ یہاں تحریکِ پاکستان کے شعلہ نوا مقرر علامہ عبدالستار خان نیازی نے بھی جلسہ سے خطاب کیا۔ مرزا زید اللہ خان ایڈووکیٹ سارا عرصہ ہمراہ رہے۔ گجرات، منڈی بہاوالدین، جلالپور جٹاں (گجرات) سے ہمارا قافلہ وزیر آباد پہنچا۔ چوہدری عبدالحمید جموی (بابو حمید) کے مکان کی چھت پر مہاجرین جموں وکشمیر کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اجتماع کی کارروائی جاری تھی کہ حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی آ گئے۔ انہوں نے جہاد کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے حضرت امام عالی مقام امام حسینؑ کا ذکر کچھ ایسے انداز سے کیا کہ سردار صاحب نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے تقریر نہ کی۔ وزیر آباد سے گزرے تو سردار صاحب نے کہا آغا شاہی یہ تیرا ہزاروی ہے، اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ولی کیا ہوتا ہے؟ میری طبیعت اس کی تقریر سے خراب ہو گئی۔ میں سمجھ گیا۔ تاہم میں نے صرف اتنا کہا کہ سردار صاحب! آپ جس شخص کے بارے میں کہتے ہیں وہ تو کہتا ہے کہ ولائت امام عالی مقام کے در سے ملتی ہے اور یہی بات علامہ اقبالؒ نے بھی کہی ہے کہ:

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسدُ اللّٰہی

سردار صاحب خاموش ہو گئے۔

سیالکوٹ میں مصروفیات... خواجہ محمد اقبال بٹ کا اعتراض:

ضلع سیالکوٹ صوبہ جموں کے مہاجرین کا گڑھ ہے۔ شہر کے علاوہ بجوات، چونڈہ، ظفروال، شکر گڑھ، نارووال میں صوبہ جموں کے لاکھوں مہاجرین آباد ہیں۔ انہی میں چوہدری وزیر علی، چوہدری سلطان علی، شیخ الحدیث مولانا محمد عالم، چوہدری فرمان علی خواجہ محمد اقبال بٹ ایڈوکیٹ، قاضی خورشید عالم، شیخ گلزار احمد فدآ، عبدالمجید قریشی، عبدالحمید نظامی، منشی معراج الدین احمد اور بہت سے وہ حضرات جنہوں نے تحریک آزادی کشمیر میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں، جموں سے ہجرت کر کے آباد ہوئے۔ سردار صاحب کے جلسوں اور استقبالیوں میں مہاجرین جموں و کشمیر کی اچھی خاصی تعداد شریک ہوتی تھی۔ سردار صاحب اپنی تقریروں میں 'میں' کا لفظ استعمال کرتے تو خواجہ محمد اقبال بٹ صاحب نے مصنف سے کہا ''اس شخص سے کہو یہ صرف 'میں' کا لفظ ہی استعمال کرتا ہے جبکہ تحریکِ آزادی کشمیر سے اس اکیلے کا تعلق نہیں یہ Colleclive leadership کی بات کیوں نہیں کرتا؟'' میں نے سردار صاحب سے اقبال بٹ کا یہ شکوہ بیان کیا تو بقیہ مجلسوں اور اجتماعات میں سردار صاحب نے 'میں' کی بجائے 'ہم' کا لفظ استعمال کیا۔

خواجہ محمد اقبال کا سردار قیوم اور خان قیوم کے اعزاز میں استقبالیہ:

حسنِ اتفاق سے پاکستان مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم خان بھی سیالکوٹ کے دورہ پر آئے ہوئے تھے۔ بٹ صاحب مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ دونوں کے سٹی صدر تھے۔ انہوں نے ان زعماء کو اپنی رہائش گاہ پر استقبالیہ دیا۔ استقبالیہ کے دوران شیخ گلزار احمد فدآ نے خان عبدالقیوم خان سے کہا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن کا

توڑ پیدا کریں۔ خان صاحب نے اپنے ہمراہ آئے ہوئے مشرقی پاکستان کے سابق وزیر خان عبدالصبور خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تو گلزار احمد فدآ سے نہ رہا گیا انہوں نے کہا اگر پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ کی یہ سوچ ہے تو پھر پاکستان کا خدا ہی حافظ ہے۔ چنانچہ اس کے ایک سال بعد سقوط ڈھاکہ ہوا۔ یہ تاریخ کا افسوسناک باب ہے۔ اس میں قائد ملت چودھری غلام عباس کے تربیت یافتہ (گلزار احمد فدآ) کا احساسِ زیاں خاص طور پر قابل غور ہے۔

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کا خط ایوب خان کے نام:

1963ء میں ڈھاکہ میں پاکستان کے قومی پرچم کی بے حرمتی کی گئی۔ اس وقت فیلڈ مارشل ایوب خان پاکستان کے سربراہ تھے۔ رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس نے ایوب خان کو اصلاحِ احوال کیلئے خط لکھا۔ اس خط کو ایوب خان تک پہنچتے ہوئے چار سال لگے۔ جب بھارت شیخ مجیب الرحمن کے ذریعہ مشرقی پاکستان میں سازشوں کے جال پھیلا چکا تھا۔ ایوب خان نے ابتداء میں کنونشن مسلم لیگ بنا کر وڈیروں کو اس میں جمع کر رکھا تھا۔ انہیں پاکستان کی مضبوطی یا کمزوری کی کوئی فکر نہ تھی ان کے اپنے مقاصد پورے ہو رہے تھے۔ محترم سردار بہادر خان چیخ رہے تھے، لیاقت باغ کے جلسہ عام میں انہوں نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہر شاخ پہ الّو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہوگا"

اور پاکستان ٹوٹ گیا.... کیوں؟ مگر اس نقار خانے میں کون سنتا تھا؟ پاکستان مسلم لیگ کی داستانیں چمن میں بکھرتی رہیں۔ ایوب خان نے اس کی کوکھ سے کنونشن مسلم لیگ برآمد کی تھی۔ تحریکِ پاکستان کے رہنماء جناب سید احمد سعید کرمانی نے کونسل مسلم لیگ کے نام سے مسلم لیگ کے نظریاتی کارکنوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش ضرور کی مگر مسلم لیگ کو

کمزور کرنے اور اس کے حصے بخرے کرنے کا سلسلہ نہ رک سکا۔ ملک قاسم مسلم لیگ، جناح مسلم لیگ کے نام سے چمن میں اس کی داستان بکھرتی رہی۔ لوگوں کے دلوں میں مسلم لیگ ضرور تھی، مگر بکھرے تنکے جمع کرنے سے کسی کو غرض نہ تھی۔ خان عبدالقیوم خان کا جہلم سے کھاریاں تک لوگوں نے پرشکوہ استقبال کیا مگر یہ یہاں تک ہی محدود رہا۔ چنانچہ مغربی پاکستان میں جناب ذوالفقار علی بھٹو سوشل ازم کے نام سے چھا گئے اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیبُ الرحمن کے نیشنلزم اور ان کی علیحدگی پسند تنظیم ''مکتی باہنی'' (نجات دہندہ فوج) کا راج تھا۔ جب جنرل آغا محمد یحیٰی خان نے انتخاب کرائے اور مغربی پاکستان میں جناب بھٹو صاحب کا سوشل ازم تھا اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کے نیشنل ازم کے درمیان مقابلہ ہوا۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں یہ دونوں ازم جیتے مگر پاکستان ہار گیا۔ دانشوروں نے کئی تجزیے کئے، ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرایا۔ مگر تاریخ کے حقائق یہ تھے کہ جب 1970ء کے انتخابات ہوئے تو پاکستان مسلم لیگ بے چاری کا پرسان حال کوئی نہ تھا۔ دو اِزموں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ ادھر معرکہ سوشل ازم نے مارا اور ادھر بھارت کی سازشیں تھیں اور شیخ مجیب کا نیشنل ازم۔ ادھر یہ جیتے اُدھر بھارت نے اگرتلہ میں جو سازش کی، اس کو کامیابی ملی۔ یوں پاکستان ٹوٹ گیا۔ سب ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہراتے اور اپنے مذموم مقاصد پورے کرتے رہے۔ گویا صورت حال یہ تھی کہ:

''سب کر رہے تھے آہ وفغاں، سب مزے میں تھے''

جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ پیپلز پارٹی کے نمائندہ بن کر سفارت کے عہدہ پر بیٹھ گے۔ مسلم لیگ قائداعظم نے وزارتِ داخلہ مانگ لی۔ پاکستان مسلم لیگ بے چاری کی داستاں چمن میں بکھرتی رہی اس سے کسی کو کیا غرض؟ یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا

بے چارے مجید نظامی مسلم لیگ کے اتحاد کا غم لیکر اللہ کو پیارے ہو گے۔

سردار صاحب کا قافلہ سیال شریف میں:

سردار محمد عبدالقیوم خاں صاحب کا دورہ انتخابی مہم سیالکوٹ میں مکمل ہوا۔ تو سیال شریف کیلئے روانگی ہوئی۔ سردار صاحب کی کار صاحبزادہ شوکت علی چلا رہے تھے۔ ساتھ مصنف کے علاوہ شیخ منظر مسعود (مرحوم) اور محترم شیخ گلزار احمد فدآ (مرحوم) بھی تھے۔ سیال شریف (ضلع سرگودھا) اولیائے چشت کا روحانی مرکز ہے۔ یہ اعلحضرت گولڑویؒ اور حضرت پیر حیدر شاہؒ جلال پور شریف کا پیر خانہ ہے۔ تحریکِ پاکستان اور تحریکِ ختم نبوتِ میں پیرانِ سیال شریف نے ہمیشہ ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ پیر سیال حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کئی ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ درویش کامل ایسے کہ پیرانہ سالی میں تبلیغِ دین کا فریضہ سرانجام دیتے، مسند نشین ہوتے تو سر مبارک جھکا ہوا، لبوں پر حمدِ باری تعالی اور درودِ پاک کا ورد جاری رہتا۔ کسی آنے والے نے السلام علکیم کہا تو سر اوپر اٹھا کر وعلیکم اسلام کہہ کر آنے والے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر نظریں جھکا کر اپنے ''معمول'' میں مشغول ہو گئے۔

پیرِ سیال کا احترام سادات:

آل محمد علیہ السلام کا جو اعزاز واحترام سرزمین سیال شریف میں ملتا ہے وہ شائد کہیں اور نہ مل سکے۔ ہم سیال شریف پہنچے، ادھر اُدھر کا جائزہ لیا۔ محترم سردار عبدالقیوم خان، حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گے۔ ساتھ جہلم سے مرحوم مولانا محمد صادق صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی تھے، میں اور صاحبزادہ شوکت علی شاہ حضرت پیرِ سیال سے شرفِ ملاقات کیلئے قریب گئے.... السلام علیکم کہا۔ سردار صاحب نے ہمارا تعارف کروایا کہ یہ دونوں سیدزادے ہیں۔ حضرت نے یہ سنتے

ہی اپنے وجود کو سمیٹا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک ہاتھ شوکت صاحب کے گھٹنے پر اور دوسرا مصنف کے گھٹنے پر رکھا۔ سچی بات ہے کہ میں تو کانپ گیا اور نیچے جو چٹائیاں بچھی تھیں ہم ان پر بیٹھ گے۔ ہم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضرت پیر سیال فوراً سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گے.... اور وہ کھڑے ہوئے تو سب کھڑے ہو گئے۔ سردار صاحب نے کہا یہ آپ کے احترام میں کھڑے ہیں، آپ ان کرسیوں پر بیٹھیں۔ مگر میں جرأت نہ کرسکا کہ شیخ الاسلام کے برابر بیٹھوں، میں اُٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اسی دوران دیکھا کہ جہاں حضرت تشریف فرما ہیں وہاں سامنے ایک انواری پلنگ پر نوجوان لیٹا ہے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ نوجوان حضرت کے دادا پیر یعنی آستانہ عالیہ مہار شریف سے تعلق رکھتا ہے.... اللہ، اللہ یہ ادب تھا پیر خانہ کا، تبھی تو اللہ نے یہ مقام عطا کیا تھا۔

فقر و غنیٰ کی ایک اور مثال:

رات کو بڑے ہال میں دستر خوان بچھایا گیا جس پر دواڑھائی سو مہمانوں کیلئے کھانے چنے گئے۔ ہر قسم کے کھانے، پر تکلف دعوت تھی۔ ایک کونے پر حضرت شیخ الاسلام تشریف فرما تھے ان کے ساتھ سردار عبدالقیوم خان اور مولانا محمد صادق مرحوم، راقم دوسرے کونے پر بیٹھا تھا۔ حکم ہوا بسم اللہ کرو... یعنی کھانا شروع کرو۔ ہم نے کھانا شروع کیا۔ اسی دوران خادم حضرت پیر سیالؒ کیلئے کھانا لایا۔ چنگیر میں موٹی دو روٹیاں اور کٹورے میں لسی میں تیار ساگ واہ سبحان اللہ! عام دستر خوان پر مرغ مسلم، پلاؤ، زردے اور طرح طرح کے کھانے اور خود کا یہ سادہ کھانا.... یہ مثال تھی سنت نبوی کی کہ کھانا تو دیکھو جو کی روٹی۔ فقر و غنیٰ کی اس سے بڑی مثال کہاں مل سکتی ہے؟ حضرت نے اپنے پیارے ہاتھوں سے روٹیاں توڑیں، کٹورے میں ڈالیں، مکس کیں اور کھانا

شروع کر دیا۔ یہ تھے لچھاں، پیر سیال، و پیر کامل۔

لاہور میں مختصر قیام اور آگے کا دلچسپ سفر:

لاہور میں دربار عالیہ شاہ محمد غوثؒ (بیرون لنڈا بازار) کے احاطہ میں ایک جلسہ میں لاہور میں مقیم مہاجرین جموں وکشمیر کا اجتماع ہوا۔ اس کے علاوہ سردار صاحب میاں شجاع الرحمن (سابق میئر لاہور) اور دیگر مسلم لیگی زعماء سے ملے۔ لاہور سے آگے حیدرآباد تک ہر چھوٹے، بڑے شہر میں رابطہ کا پروگرام تھا۔ سردار صاحب کے ہمراہ گلزار احمد فدا آئے تھے اور مصنف۔ دلی مسلم ہوٹل (انارکلی، لاہور) میں تین دن قیام رہا۔ تیسرے روز صبح سویرے نماز فجر کے بعد سردار صاحب نے مصنف کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا کہ ہم نے ہر چھوٹے بڑے شہر میں جانا ہے۔ مگر بغیر وقفیت کے پروگرام کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہیں؟ میں نے کہا میں اوکاڑہ چلتا ہوں۔ وہاں سے رابطہ کے بعد آپ کو فون کروں گا۔ چنانچہ میں شام کو اوکاڑہ پہنچ گیا وہاں مسلم لیگ کے کارکنوں سے ملا۔ ممتاز عالم دین علامہ غلام علیؒ اوکاڑوی سے ملاقات ہوئی، جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے دفتر گیا۔ سب سے کہا کہ آزاد جموں وکشمیر کے معروف رہنما سردار عبدالقیوم خان تشریف لا رہے ہیں اور وہ آپ سب سے مل کر ملکی صورتحال بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ قومی سطح کی تمام جماعتوں کے ضلعی ذمہ داران کو اعتماد میں لے کر سردار صاحب کے شایان شان استقبال کی راہ ہموار کی جس کے نتیجہ میں مولانا غلام علی اوکاڑویؒ نے چوک پاکستان میں جلسہ عام کا پروگرام رکھا۔

جماعت اسلامی نے ٹاؤن ہال میں استقبالیہ دینے اور جمعیت علمائے اسلام نے اپنے دفتر میں استقبالیہ کا پروگرام طے کیا جبکہ پاکستان مسلم لیگ نے رات کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہ پروگرام طے ہونے کے بعد میں نے سردار صاحب کو اوکاڑہ کے

پروگراموں سے بذریعہ فون آگاہ کیا۔ سردار صاحب اوکاڑہ پہنچے تو میں اگلے پڑاؤ کے انتظامات کے لیے بلاتاخیر ساہیوال چلا گیا اور پھر اسی ترتیب سے ساہیوال سے چیچہ وطنی ،خانیوال ، بورے والا، عارف والا، ملتان ، وہاڑی ، خان پور، بہاولپور، احمد پور شرقیہ، رحیم یار خان ، اور صادق آباد سمیت جنوبی پنجاب کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں اسی طرح سردار صاحب کے دورہ کو مصنف نے نہایت کامیابی سے ہمکنار کیا۔

دورۂ سندھ کے دوران حیدر آباد پہنچ کر شیخ گلزار احمد فدا نے سردار صاحب سے کہا جناب عالی! آغا حسین معصوم نے جس طرح آپ کے دورہ کے پروگرام طے کیے اس لئے حیران کن بات ہے کہ بغیر واقفیت کے ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ سچی بات ہے کہ آغا صاحب مسلم کانفرنس کے رابطہ کے سفیر ہیں، سردار صاحب نے کہا فدا صاحب! آغا شاہی کو میں وہاں پہنچاؤں گا جہاں اس کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سچی بات ہے کہ میرا یہ تصور کب تھا کہ محترم سردار صاحب مصنف کو ہی نہیں ان تمام عظیم کارکنوں سے یہ سلوک کریں گے کہ ان میں سے ہر کوئی... ایک نہیں کئی بیماریوں کا شکار ہو جائے گا۔ سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کو ان کی عظیم قربانیوں کے صلہ میں ڈاکٹر سلام الدین نیازکا تحفہ دیا گیا۔ ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر، گلزار احمد فدا، بی، ایم مفتی، راجہ محمد نجیب خان ایسے ڈسے گئے کہ کئی کئی بیماریوں کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور یہیں سے مسلم کانفرنس کو دیمک لگنا شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ تحریک آزادی کشمیر کی بانی جماعت اندر سے کھوکھلی ہونا شروع ہو گئی۔

مصنف، مسلم کانفرنس کا دیرینہ اور بنیادی کارکن بڑے دکھے دل کے ساتھ آج ماضی کے ان واقعات کو تاریخ میں امر کرنے کے لیے اس حالت میں مصروف ہے کہ گلے کے کینسر کے موذی مرض کا شکار ہے۔

کاش کہ مسلم کانفرنس کے چراغوں میں روشنی رہتی:

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی رحلت کے بعد جب تک تو مسلم کانفرنس اقتدار سے باہر رہی، بلاشبہ سردار عبدالقیوم خان نے جماعت کو مضبوط بنانے کیلئے بڑی محنت کی۔ ان دو تین سالوں میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا طوطی بولتا تھا۔ سردار صاحب نے بجا طور پر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی اسی اعلیٰ روایت کو زندہ رکھا کہ قائد مرحوم کارکنوں سے شفقت کا بے پناہ مظاہرہ کرتے تھے۔ سردار صاحب نے کارکنوں کی تربیت اسی انداز سے کی۔ کارکنوں اور قیادت کے درمیان حدِ فاصل نہ رہی، یہاں تک کہ کسی جلسہ سے قبل سردار صاحب کارکنوں سے بلا تخصیص پوچھتے ہاں بھی جوانو مجھے کیا کہنا ہے؟ اس شفقت سے کارکنوں کا اعتماد قیادت پر بڑھ گیا۔ جماعت کے اندر ایک گھر کا سا ماحول تھا۔ کارکنوں کا اگر کوئی گروپ تھا تو "آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس" تھا۔ اور اس صورت حال نے مسلم کانفرنس کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔

ملتِ اسلامیہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے دلوں میں مسلم کانفرنس اور اس کے کارکنوں کی عزت تھی، احترام تھا، تاہم یہ تب کی بات ہے جب آتش جوان تھا۔ یہ سلسلہ آزاد جموں وکشمیر کے انتخابات منعقدہ 1971ء تک قائم رہا۔ انتخابات ہوئے تو پھر صورت حال یکسر بدل گئی۔ کارکن حیران و پریشان ... تلاش کر رہے تھے کہ کہیں انہیں 1970ء سے پہلے والے قائد سردار محمد عبدالقیوم خان مل جائیں۔ مگر یہ اس بے سود تھا کہ "منزل ان کو مل گئی تھی جو شریک سفر نہ تھے۔" وہ لوگ قائد محترم کی ناک کا بال بن گئے تھے جو ساری زندگی رئیس الاحرار اور مسلم کانفرنس کو گالیاں دیتے تھے۔ یہیں سے مسلم کانفرنس کے انحطاط کا دور شروع ہوا۔

سردار عتیق احمد خان کی سیاست کا آغاز

1985ء کے بعد سردار صاحب کے صاحبزادے سردار عتیق احمد خان نے شعور کی آنکھ کھولی تو گھر کا ماحول ان کو اونچی اڑان پر مجبور کرنے لگا۔ کارکن سردار قیوم کا بیٹا ہونے کے ناطے عتیق خان کو سر آنکھوں پر بٹھانے کیلئے تیار تھے مگر سردار عتیق احمد خان نے سیاست کے خارزار میں قدم رکھتے ہی ایک دم پون صدی سے انقلابات سے گزر کر آنے والے ایک مضبوط اور تناور درخت پر نیچے سے اوپر چڑھنے کی بجائے ایک دم چھلانگ لگا کر چوٹی کو پکڑنے کی کوشش کی۔ جب دیکھا کہ اس کی شاخیں مضبوط ہیں۔ اوپر جانے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں تو انہوں نے ایک ایک کر کے ان ٹہنیوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ مسلم کانفرنس کو اپنے زیر اثر لانے کیلئے ایسے اقدامات کئے جن کو دیکھ کر پرانے ایثار پیشہ کارکن دانتوں میں انگلیاں دبا کر پیچھے چلتے رہے۔

مخلص کارکنان اقتدار سے پہلے کے مجاہد اوّل کو تلاش کرتے تھے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ شفقت پدری بڑی ظالم ہے، کربلا برپا کر دیتی ہے۔

مسلم کانفرنس کے انتہائی سنیئر کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن:

جن سنیئر کارکنوں کو سردار عتیق احمد خان کسی نہ کسی صورت میں اپنے راستے کی رکاوٹ تصور کرتے تھے، ان کی کردار کشی کی مہم کے ساتھ بعض ایسے اقدامات شروع کئے جو ایک باشعور انسان اپنے دشمنوں کے خلاف بھی نہیں کرتا۔ تحریک آزادی کشمیر کے عظیم رہنما سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے پورے خاندان کو سیاست سے آؤٹ کرنے کیلئے چرکوں پر چرکے دیئے اور اس قدر انتقامی کارروائیاں کیں کہ بقول شاعر:

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

سردار سکندر حیات خاں آزاد جموں وکشمیر کے وزیر اعظم اور صدر رہے۔ دو بار آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے صدر سردار عتیق احمد خان نے ان کی کردار کشی کی انتہا کردی۔ ایک مثال تاریخ کی نذر ہے۔

راولپنڈی میں مجلسِ عاملہ مسلم کانفرنس کو کس طرح مچھلی منڈی بنایا گیا۔ دو ڈز اسپیکر اپنے حواریوں کے ذریعے پنڈال میں گھما کر ایک منصوبہ بندی کے تحت سردار سکندر حیات خان کے خلاف گھناؤنا پروپیگنڈا کیا گیا۔ مجلس عاملہ کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

راجہ فاروق حیدر خان کے خلاف ایسا جال بچھایا گیا کہ راجہ فاروق حیدر خان ہٹیاں بالا میں محصور ہو کر رہ جائیں۔ جگہ جگہ ان کے خلاف اپنے حواریوں کے ذریعہ مخالفانہ نعرے بازی اور مظاہروں کا پروگرام بنایا گیا۔ مگر راجہ فاروق حیدر خان بھی بڑے سخت جان واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے تدبر، عزم و حوصلہ کے ساتھ اس ساری صورتحال کا مقابلہ کیا۔ آج اللہ تعالیٰ نے انہیں آزاد جموں وکشمیر میں ایک باعزت اور باوقار مقام عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر (مرحوم) تحریک آزادی کشمیر کے ایک سرگرم اور بے لوث رہنما تھے۔ آپ الحاقِ پاکستان کی تاریخی قرارداد کے شرکاء میں سے ایک تھے۔ ہمیشہ مسلم کانفرنس کے دفتر جماعت کے اخراجات میں دلچسپی لیتے۔ وہ میرپور کی سٹی مسلم کانفرنس کے چیئرمین تھے لیکن یار لوگوں کو یہ بھی گوارہ نہ تھا۔ وہ اپنے بچوں کو ملنے انگلینڈ گئے تو ان کی عدم حاضری میں ان سے سٹی کی صدارت چھین لی گئی۔ وہ کئی بیماریوں کا شکار

ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

یہی حال مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل شاہ غلام قادر کا ہوا۔ گرانقدر خدمات کے بدلے انہیں کارنز کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

فرشتہ صفت محمد علی کنول مسلم کانفرنس کے انتہائی مخلص رہنماء اور سیکرٹری جنرل تھے۔ ان کے صاحبزادے زاہد امین کاشف نے ایم ایس ایف مظفرآباد میں انتہائی فعال کردار ادا کیا۔ وہ گریجویٹ ہوئے، مسلم کانفرنس میں اپنے والد کے جانشین کے طور پر کردار ادا کرنے کے خواہش مند تھے۔ مگر ان کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھ کر عتیق احمد خان نے وہ کچھ کیا کہ وہ مسلم کانفرنس سے سخت دلبرداشتہ ہو گئے۔

آزاد جموں وکشمیر کے انتخابات میں جماعتی امیدواروں کو ٹکٹ دے کر اندرونی طور پر ان کو ہرانے کی سازش کرنا سردار عتیق احمد خان کا عام مشغلہ تھا۔ الحاج ثناء اللہ قادری مرحوم کو راولپنڈی بشمول کوہ مری سے جماعت نے ٹکٹ جاری کیا۔ سردار عتیق احمد خان نے مصنف اور صاحبزادہ امجد علی شاہ کو بلا کر ہدایت کی کہ قادری کو ہرانا ہے۔ ہم حیران ہوئے مگر انہوں نے کہا جماعت کے صدر کی حیثیت سے میں کہہ رہا ہوں چنانچہ ہم دونوں مری گئے اور برادرم محمد خالد قریشی کے بڑے بھائی ساجد قریشی سے ملے، ان سے بات کی۔ دوسرے دن ان کی والدہ نے فون پر محترم سردار محمد عبدالقیوم خان صاحب کو صورتحال سے آگاہ کیا کہ آغا شاہ اور امجد علی شاہ جماعت کے ٹکٹ ہولڈر ثناء اللہ قادری کی مخالفت کرنے آئے ہیں۔ سردار صاحب محترم نے ہمیں تو منع کر دیا مگر سردار عتیق احمد خان کو کھلا چھوڑ دیا اور ان سے یہ تک نہ پوچھا کہ اپنی جماعت کو ہرانے کی سازش چہ معنی دارد؟ یہ ایک مثال نہیں بلکہ جن کارکنوں کو صاحبزادہ شوکت علی شاہ کو ہرانے کیلئے مامور کیا گیا تھا وہ آج عتیق خان کو چھوڑ چکے ہیں۔ اخلاقیات کے تقاضے کے پیش نظر

مصنف یہاں نام ظاہر نہیں کرتا۔ اسی طرح چوہدری طارق فاروق (بھمبر) ڈاکٹر نجیب نقی (پلندری) اور دوسرے کئی امیدواروں کو ہرانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا۔

تحریک آزادی کشمیر کی وراثت کے جھوٹے دعوے:

سردار عتیق احمد خان نے ایک طرف تحریک آزادی کشمیر اور مسلم کانفرنس کے انتہائی سنیئر کارکنوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کیلئے ان کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر رکھا تھا اور ساتھ ہی انہوں نے ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ کو مسخ کرنا شروع کر دیا اور کھلے عام یہ دعوے کرنا شروع ہو گئے کہ تحریک آزادی کشمیر کا حقیقی وارث غازی آباد کا ان کا خاندان ہے جبکہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ 1947ء سے پہلے جدوجہد آزادی کشمیر کی پوری تاریخ میں ان کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔

1947-48 کو بھی تحصیل باغ کی حد تک جدوجہد آزادی میں سردار صاحب کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ کہ آزادی کشمیر کی طویل جدوجہد جموں کی آخری کا ہنڈی سے لیکر گلگت کی وادیوں تک لڑی گئی۔

حاجی مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیا (جنہیں ان کی جدوجہد آزادی میں سرگرم کردار کی وجہ سے رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس مرحوم نے بجا طور "شورش جہاں" کا لقب دیا تھا) 1923ء سے تحریک آزادی کے محرک ہیں۔ سردار سبز علی خان، سردار ملی خان نے زندہ کھالیں کھنچوائیں ان کو چھوڑ کر تحریک آزادی کشمیر کا وارث کون ہو سکتا ہے؟ جموں میں لاکھوں مسلمان پاکستان کے نام پر گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے، تحریک آزادی کشمیر کا وارث ان شہدا سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے؟ جموں میں جو لاکھوں مسلمان پاکستان کے نام پر گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ تو ان کے نام پر فخر کرتی ہے۔ 1931ء کو مولانا محمد عبداللہ کفل گڑھی، ڈگڈگی بجا کر

لوگوں کو اکٹھا کر کے کہتے:

اُٹھ ستیا کساناں جاگ
تیرا لٹیا گیا گھر بار

سماہنی کے بطلِ حریت راجہ بڈھا خان نے اپنی آنکھیں تک نکلوا دیں تحریک آزادی کشمیر کا وارث ان عظیم لوگوں کو چھوڑ کر کون ہو سکتا ہے؟ تحریک آزادی کشمیر کے وارث تو باغ بلز سیداں کے سید خادم حسین شاہ گردیزی تھے۔ جنہوں نے ڈوگرہ ملٹری کی لالچ اور دھمکیوں کے جواب میں یہ نعرہ مستانہ لگا کر اپنے بازو کٹوائے اور شہادت حاصل کی کہ:

میں سید ہاشمی ہوں اور علی حیدر کا پوتا ہوں
گرامی ہے نسل میری رسول اللہ کا دوہتا ہوں
میں ان نیزوں سے شمشیروں سے ہرگز ڈر نہیں سکتا
کسی صورت سے میں تاجِ باطل کر نہیں سکتا

یہ امر واقع ہے کہ رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے بعد غازی آباد اور کریلہ مجہان کے دو خاندان آزاد کشمیر میں برسراقتدار رہے۔ دونوں نے 1970ء اور 1985ء کے بعد موروثی سیاست کو فروغ دیا۔ آزاد جموں و کشمیر میں اقتدار کے مزے لوٹنے کے ساتھ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس میں گروپ بندی پیدا کی۔ عام کارکنوں اور قیادت کے درمیان حدِ فاصل قائم کی۔ دونوں ظاہری اور فکری طور پر ہندوستان کے مہاراجوں کی طرح حکمرانی کے قائل تھے۔ تھوڑا سا فرق یہ تھا کہ سردار عتیق احمد خان نے مکمل طور پر جماعت کے پرانے عظیم کارکنوں سے دامن بچانے کی پالیسی اختیار کی اور سردار سکندر حیات خان نے جماعت سے چند کارکنوں کو چن کر اقتدار کی ان پر

نوازشات کیں اور بار بار ان کو کشمیر سیل، آزاد جموں و کشمیر کونسل و دیگر اہم عہدوں پر لگایا۔ اگر جماعت کا کوئی کارکن کوئی تجویز دینے کی غلطی کر بیٹھا تو کہا گیا کہ فلاں کارکن پروٹوکول کا خیال نہیں کرتا۔ سردار عتیق احمد خان کے جواب میں سردار سکندر حیات نے بھی تحریک آزادی کشمیر کی وراثت کے دعوے کئے۔ بلاشبہ ان کے والد تحریک کے عظیم رہنما تھے مگر وہ تحریک آزادی کشمیر کا کل نہیں اہم جزو اور قابل احترام رہنما تھے۔ سردار سکندر حیات خان تو 1970ء میں ایک غیر معروف کارکن تھے۔ مسلم کانفرنس کا تنظیمی بورڈ ان کا موروثی ٹکٹ چوہدری غلام احمد رضا کو دینا چاہتا تھا لیکن سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کی کوششوں سے انہیں ٹکٹ ملا پھر بھی وہ مایوس تھے کہ ان کے پاس گاڑی کے تیل کیلئے پیسے نہیں۔ نکیال میں ایک دکان تھی اس سے الیکشن کے اخراجات کیسے پورے ہوتے۔ انہوں نے پیر سید یوسف علی نورانی کو خط میں یہ ساری صورتحال لکھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نکیال کے نواحی علاقوں میں سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے سینکڑوں خاندان مریدین میں شامل تھے اور سید یوسف علی نورانی کا ان سے ہمہ وقت رابطہ تھا۔ کرلا مجہان میں بھی اچھی خاصی تعداد حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کے دست بیعت تھی۔ سپالی بازار اور قمروٹی میں حاجی عباس علی شاہ، حاجی محمد علی شاہ، ماسٹر جماعت علی شاہ کا خصوصی تعلق دربار عالیہ نور پور سیداں سے تھا۔ اور پیر مہر علی شاہؒ حضرت حاجی نوران شاہؒ کے خلیفہ تھے۔ یہ تمام حقائق تھے کہ حلقہ کے ہزاروں ووٹرز کا تعلق دربار عالیہ نور پور سیداں سے تھا۔ سید محمد عبداللہ شاہ آزاد بحیثیت وزیر تعلیم حکمران حکومت نکیال تشریف لے گئے اور سردار سکندر حیات خان کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی میں لانے کی راہ ہموار کی۔

سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کا 1979ء میں انتقال ہو گیا۔ تحریک آزادی کشمیر کے

دیگر رہنما مولوی عبدالعزیز راجوروی، ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر، شیخ گلزار احمد فدا، راجہ محمد نجیب خان اور خواجہ محمد اقبال بٹ بھی ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے تو سردار سکندر حیات خان اور سردار عتیق احمد خان نے اولاً تو تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ کو مسخ کیا اور پھر دونوں نے تحریک آزادی کشمیر پر وراثت کے دعوؤں کی جنگ چھیڑ دی۔ آزاد کشمیر میں موروثی سیاست کو دونوں نے فروغ دیا۔

خاندانی وراثت کی شرمناک مثال:

سردار عتیق خان کے صاحبزادے عثمان عتیق نے پر پرزے نکالے تو یہ کوئی حیران کن بات نہ تھی۔ عثمان عتیق جلوس نکالتے تو مسلم کانفرنس کے سینئر رہنما سابق سینئر وزیران کے پیچھے ہاتھ باندھ کر چلتے۔ اس صورتحال کو دیکھ مسلم کانفرنس کے تمام سینئر کارکن انتہائی دل برداشتہ ہو گئے۔ آزاد جموں وکشمیر میں انتخابات ہوئے تو حیرت انگیز بات تھی کہ سردار سکندر حیات خان اپنی اس موروثی سیٹ سے شکست کھا گئے جس پر ان کے عظیم والد 1934ء سے منتخب ہوتے آرہے تھے۔ دوسری طرف سردار عتیق احمد خان جو بتیس فلیگ ہولڈر کے ساتھ وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالے ہوئے تھے صرف دو سیٹوں کے ساتھ بند گلی میں چلے گئے۔ فہیم عباسی، راجہ محمد ایوب خان، سردار عبدالرزاق عباسی جیسے لوگ ان سے دور ہو گئے۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔ یہ دونوں بہرا ے اپنے انجام کو پہنچے۔ مگر تاریخ کا ظلم یہ ہوا کہ ان کی ہوس اقتدار کی چھینا جھپٹی میں ریاست جموں و کشمیر کی اولین تاریخ ساز جماعت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس جسے بجا طور پر اپنے وقت کی سواد اعظم جماعت قرار دیا جاتا تھا کے چراغوں سے روشنی ختم ہو گئی مگر.....

وائے ناکامی، متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں:

1985ء کے بعد وادی کشمیر میں آزادی کی لہر:

تقریباً نصف صدی کی خاموشی کے بعد وادی کشمیر کی پر امن فضاء کا سکوت اس وقت ٹوٹا جب وادی کشمیر کے مسلمانوں نے ایک جرأت مندانہ کروٹ لی، حد متارکہ کے اس پار شیخ عبداللہ کا نیشنلزم ہوا ہو گیا۔ زوردار تحریک چلی ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کی گونج ہر طرف سنائی دینے لگی۔ مجاہدین نے بھارتی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان شہید ہوئے۔ بلاشبہ وادی کشمیر سے بڑی دیر کے بعد اٹھنے والی اس تحریک نے جس جوش وخروش کا مظاہرہ کیا یہ ہماری حالیہ تاریخ کا حصہ ہے۔

لیکن اس جدوجہد آزادی کے دوران حد متارکہ کے اُس پار ریاسی، مینڈھر، راجوری، سرن کوٹ کے مسلمان شکوہ کناں نظر آئے۔ جہادی تنظیموں کے بعض افراد اسلحہ کی نوک پر اپنے عقائد کو پھیلانے میں مصروف رہے۔ جہاں کہیں انہیں یارسول اللہ کا پوسٹر نظر آیا، گھر کے مکینوں کی شامت آ گئی۔ مقبوضہ کشمیر کے تقریباً ہر علاقہ میں اکثر مزارات کی بے حرمتی کے مظاہرے ہوئے۔

حالیہ تحریک کا بھارت نے کیوں غلط فائدہ اٹھایا؟

ایک اور بات بطور خاص جس کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ 1985ء کے بعد وادی کشمیر میں اُٹھنے والی لہر نہایت جرأت مندانہ تھی اور

ایک لاکھ مسلمانوں کی قربانی کوئی کم قربانی نہ تھی۔ تاہم یہ کوئی نئی جدوجہد نہ تھی بلکہ 1947ء سے جاری مسلح جدوجہد کا حصہ تھی۔ مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں اس کی نظام کار تھی انہوں نے اس کا ذکر نئی تحریک کے انداز سے کیا اور ظاہر ہوتا تھا کہ اس سے پہلے کوئی شہادت نہ ہوئی۔ بھارت نے اس صورت حال کا خوب فائدہ اٹھایا اور ایک صاف ستھری تحریک اور جہادِ آزادیٔ کشمیر کو دہشت گردی کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔ اس صورتحال نے جدوجہد آزادی کی تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

مصنف تین سال قبل سرن کوٹ اور راجوری گیا۔ اکثر مسلمان شکوہ کر رہے تھے کہ 1965ء کے دوران مجاہدین صرف شہادت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ مگر اس بار 1985ء کی جدوجہد میں اکثر لوگوں نے جہاد کے نام پر اپنے عقائد پھیلائے، اس میں دہشت پھیلائی، مزارات کی بے حرمتی کی گئی، لوگوں کو وہاں مار پیٹا، اس حرکت سے انہوں نے جہاد کو بدنام کیا۔ لاکھوں جانیں قربان ہوئیں پھر بھی تحریک کو کنارہ نہ ملا ۔۔۔ کیوں؟

اتنی طویل جدوجہد کو کنارہ کیوں نہ ملا:

ریاست جموں و کشمیر کی طویل جدوجہد جو اپنے دامن میں لاکھوں شہدا کی قربانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ خون آشام تحریک ایک صدی پر محیط ہے۔ اس طویل عرصے کے دوران دنیا کے نقشہ پر درجنوں نئے ملکوں کا اضافہ ہوا۔ اتنا طویل عرصہ اور اس میں عظیم قربانیوں کی دنیا کی تاریخ میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ جموں و کشمیر کے حرماں نصیب مسلمان صبح شام مشرق کے اُفق پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ان کو دکھائی دیتا ہے کہ نہ تو ہدایت کے چشمے اُبلنے کو آئے نہ ہی اقوام عالم کا ضمیر جاگا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

انسان کو اس کے کیے کا پھل ملتا ہے۔

جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے 13 جولائی 1931ء کو سنٹرل جیل سری نگر کے احاطہ میں بائیس نوجوانوں کی شہادت پیش کی۔ 1947ء کو جموں میں تین لاکھ سے زائد مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ دیئے گئے، پھر بھی اقوام عالم کا ضمیر بیدار نہ ہوا۔ 1965ء کو جموں و کشمیر کے مسلمانوں پر قیامت صغریٰ برپا ہوئی تو بھی دنیا خاموش تماشائی بنی رہی۔ 1985ء کے بعد وادی کشمیر میں جرأت مندانہ جدوجہد چلی۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان شہید ہوئے نتیجہ ندارد۔

دوسری طرف دنیا جانتی ہے کہ انڈونیشیا میں ایک جزیرہ (ایسٹ تیمور) کی آبادی نے محض اس بناء پر آزادی مانگی کہ وہ عیسائی ہیں۔ انڈونیشیا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے، ان کو آزادی مل گئی، آخر اس کی وجوہات کیا ہیں؟ جہاں تک اقوام عالم کا تعلق ہے تو یہ حقیقت آشکارہ ہے کہ پاکستان اور ملت اسلامیہ کے بارہ میں ان کی سوچ مثبت نہیں منفی ہے۔ لیکن خود ہماری صفوں میں بے شمار کمزوریاں ہیں ان کی بناء پر عظیم جدوجہد کی ناؤ کنارے پر نہ پہنچ سکی۔

شیخ محمد عبداللہ کا کردار:

جدوجہد آزادی کشمیر کی ناکامی میں سب سے زیادہ ذمہ داری شیخ محمد عبداللہ پر عائد ہوتی ہے۔ ایک تو انہوں نے نیشنل ازم کا راستہ اپنا کر جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر جب برصغیر کی تقسیم کے وقت ریاست کے مسلمان مسلح جدوجہد کے ذریعہ اپنے مستقبل کیلئے میدان عمل میں آئے تو شیخ محمد عبداللہ نے عارضی اقتدار کی خاطر اپنا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال کر 27 اکتوبر 1947 کو بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل کروا دیں۔ اس بناء پر جب ریاست کے مسلمانوں نے جہاد آزادی کے ذریعہ

آزاد جموں و کشمیر کا خطہ آزاد کروایا۔ جموں میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے۔ مگر وادی کشمیر میں مکمل طور پر امن رہا۔ دوسری بار 1965 میں صوبہ جموں کے علاقوں ریاسی، راجوری، سرن کوٹ میں قیامت صغریٰ برپا ہوئی تو بھی وادی کشمیر میں امن کی فضاء قائم رہی۔ اس لئے جدوجہد آزادی کشمیر کی ناؤ کنارے پر نہ لگنے کی بڑی ذمہ داری تاریخ میں شیخ عبداللہ پر عائد ہوتی ہے۔ وادی کشمیر کے مسلمان اس حقیقت سے روشناس ہو چکے ہیں اس لئے حالیہ انتخاب میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے محبوبہ مفتی کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی۔ حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

حد متارکہ کے اس پار جہادی تنظیموں کا کردار:

یہ بات واضح رہے کہ جدوجہد آزادی کشمیر کے بانی قائد ملت چوہدری غلام عباس نے جموں و کشمیر کے عوام کو جو نظریہ اور پیغام دیا، وہ ان کے دل کی آواز تھی۔ وہ قومی نظریہ، ملت اسلامیہ کی یکجہتی اور اتحاد کا نظریہ جو ارفع و اعلیٰ بنیادوں پر استوار تھا۔ یہ خالصتاً جہاد کے ان اعلیٰ وارفع اصولوں کی بنیاد پر استوار تھا۔ جس کا عملی نمونہ مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰؓ نے پیش کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے مدمقابل دشمن خدا کو پچھاڑ کر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے تو اس نے بے بسی کے عالم میں اپنی دلی کدورت کے اظہار کے لیے آپؓ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ آپؓ نے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے یہ فعل اس لئے کیا کہ میری اس حرکت سے آپؓ کو غصہ آئے گا اور آپ مجھے مارنے میں جلدی کریں گے۔ آپؓ اس کی چھاتی سے اتر آئے اور فرمایا..... میں تجھے اپنے رب کا نافرمان، دشمن سمجھ کر مارنا چاہتا تھا۔ لیکن تیرا یہ فعل میری ذات کے خلاف ہے اور میں ذاتی مخالفین کو معاف کر دیا کرتا ہوں۔ یہ جہاد کی ایک جھلک ہے۔

1947ء کی مسلح جدوجہد میں جہاد شامل تھا۔ مگر ایک بدقسمتی کہ یہ جدوجہد صوبہ جموں کے اضلاع اودر، جدھانی پونچھ تک ہی محدود رہی۔ پھر 1965ء میں مجاہدین نے صوبہ جموں کے علاقوں ریاسی، راجوری، نوشہرہ، مینڈھر، سرن کوٹ میں بھارتی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے تب بھی وادی کشمیر پرامن رہی۔ وادی کشمیر میں 1985ء میں تین عشروں کی پرامن فضاء میں بھونچال ضرور آیا۔ جب وادی کشمیر کے غیور مسلمانوں نے جرأت مندانہ کروٹ لی اور شیخ محمد عبداللہ کے نیشنل ازم پر کاری ضربیں لگائیں تو وادی کشمیر کے پہاڑوں اور وادیوں میں سبز ہلالی پرچم لہرانے لگے۔ مگر پہلی بار بعض جہادی تنظیموں نے اسلحے کی نوک پر اپنے عقائد ٹھونسنے کی کوشش کی۔ مزارات کی بے حرمتی کے کئی واقعہ رونما ہوئے۔ مصنف تین سال قبل اپنے عزیزوں سے ملنے گیا اس دوران جہاں بھی گیا لوگ اب کی بار بعض جہادی تنظیموں کے اس کردار پر شکوہ کناں نظر آئے۔ یہ لوگ 1965ء میں مجاہدین کے اعلیٰ کردار کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔ مگر انہیں شکوہ ہے کہ 1985 کی جدوجہد میں بعض افراد نے جہاد کے نام پر اسلحے کی نوک پر، اپنے عقائد کو پھیلانے کی کوشش کی۔ مزارات کی بے حرمتی کر کے سرزمین اولیاء پر جہاد مخالف اقدام کے ذریعہ لوگوں کی دل آزاری کی۔ یہ حقائق ہیں جن کی بناء پر لاکھوں شہدا کی قربانیوں کے باوجود مسئلہ کشمیر دلی سے دور ہوتا چلا گیا۔

جموں و کشمیر حریت کانفرنس:

حد متارکہ کے اس پار، وادی کشمیر کے مسلمانوں نے پہلی بار 1985ء میں شیخ محمد عبداللہ کے کردار کے خلاف جرأت مندی کا مظاہرہ کیا تو جموں و کشمیر حریت کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اگرچہ حریت کانفرنس کا دائرہ کار وادی کشمیر تک محدود ہے تاہم حریت کانفرنس کے مرکزی قائدین سید علی گیلانی، جناب میر واعظ عمر فاروق، پروفیسر

عبدالغنی بھٹ، محترم یسین ملک، علامہ انصاری، غلام حسن بڈگامی اور ان کے دیگر ساتھیوں کا کردار تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ان کے ساتھ کشمیر کے نیلسن منڈیلا سید شبیر شاہ کا کردار بھی قابل تعریف ہے۔ پوری ملت اسلامیہ انہیں سلام کرتی ہے۔ یہ حضرات تاریخ کشمیر کے درخشندہ ستارے ہیں۔ جو بھارتی فوجوں کی سنگینوں کے سائے میں کشمیر کی آزادی اور اوراق کی بات کرتے ہیں۔ پیرانہ سالی میں سید علی گیلانی کا جوش ولولہ، یسین ملک کا لاٹھیاں کھا کر بھارتی فوجوں کو للکارنا گرفتاری دینا۔ تاریخ میں یہ حضرات زندہ جاوید رہیں گے۔

تاہم آزاد جموں و کشمیر کی آزاد فضاء میں ہمارے لیڈروں کا کردار اور اس کے ساتھ آزاد جموں و کشمیر میں حریت کانفرنس کے نام پر کام کرنے والے بعض افراد نے جہاد آزادی کشمیر کو بطور کاروبار استعمال کیا۔ اسلام آباد میں ایئر کنڈیشنڈ بنگلے، قیمتی کاریں اور جہاد کے نام پر دنیا بھر کے سیر سپاٹے، کروڑوں روپے جہاد کے نام پر ڈکار گئے۔ جہاد کے نام پر مخلص کارکنوں کی حوصلہ شکنی ان کا روزمرہ کا معمول ہے ایسے میں علامہ اقبال کا یہ قول کہ

ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک

خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ چشمے ابلیں۔ ہمالہ کے ٹھنڈے چشموں سے گزشتہ ایک صدی سے شہداء کا خون بہہ رہا ہے اور کچھ لوگ ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں میں مزے لے رہے ہیں، ان سے کیا توقع کی جائے کہ جدوجہد آزادی کشمیر کو کنارے سے ہمکنار کریں گے؟..... ناممکن۔ اللہ پاک کوئی بہتر سبب پیدا کر دے تو اس سے بعید نہیں کہ مظلوم و مقہور کشمیری شہدا کی قربانی بہرحال رائیگاں نہیں جائے گی... اور بقول سید جنید شاہ نسیم (شہید)

یہ قربانی ہماری رنگ لائیں گی زمانہ میں
مگر افسوس ہم زندہ نہ ہوں گے اُس زمانہ میں

لاکھوں شہداء کی قربانیوں اور جموں و کشمیر کے عوام کی گرانقدر خدمات کے باوجود پون صدی سے جاری جدوجہد کامیابی سے کیوں ہمکنار نہ ہو سکی۔ اس کی یک نہیں کئی وجوہات ہیں جن میں سے چند ایک کا خاکہ بیان ہوا۔ یہ جدوجہد آزادی کشمیر جہاد کے نام پر جاری ہے۔ جہاد کا نام استعمال کرنا تو آسان ہے مگر جہاد کے لفظ کے اندر جو پاکیزگی کار فرما ہے جب مسلمان اس فریضہ پر اپنے آپ کو تیار کرتا ہے تو اس کا اللہ پاک سے یہ معاہدہ طے پاتا ہے کہ اس کا ہر قدم اللہ کی خوشنودی کیلئے اُٹھے گا۔ پھر اگر اس کی موت واقع ہو تو وہ شہید کہلاتا ہے زندہ رہے تو غازی کا لقب اسے ملتا ہے۔ اب جہاد کے نام پر دولت بھی اکٹھی کی جائے۔ اقتدار کے مزے بھی لوٹے جائیں، حق داروں کا حق بھی مارا جائے تو پھر یہ کہا جائے کہ ہمالہ کے چشمے کیوں نہ اُبلے۔ جدوجہد آزادی کشمیر کو کنارہ کیوں نہ ملا؟ اس طرز عمل کو کیا نام دیا جائے.... خدا محفوظ رکھے۔

مندرجہ بالا چند وجوہات کے ساتھ پاک بھارت کی حکومتوں نے اپنے اپنے نکتہ نظر سے کشمیر پر جو پالیسی مرتب کی اس کو مسئلہ کشمیر کو ''جوں کا توں'' یعنی (Stand Still) رکھنے میں اچھا خاصا عمل دخل ہے۔ بھارت نے جو پالیسی مرتب کی اور جس کے تحت دنیا کے سامنے شیخ محمد عبداللہ کو مہرے کے طور پر پیش کیا اس کے مقابلہ میں ہماری حکومتوں نے رئیس الاحرار چودھری غلام عباس اور ریاست میں دو قومی نظریہ کے حامی افراد کو چوکوں پر چڑھا دیئے بلکہ کشمیر پر ہماری حکومتوں کا رویہ ہمیشہ معذرت خواہانہ رہا ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے درج ہو چکی ہے۔ مسلم کانفرنس کے کارکن اس پالیسی پر بڑی کا اظہار کرتے اور اپنے قائد سے شکوہ کرتے تو اس مرد قلندر کا جواب ہوتا۔ خبردار ابھی

زبان پر پاکستان کے خلاف کوئی حرف زبان پر نہ لانا۔آہ نہ کرلیں کوسی۔۔۔۔۔عاشق ہے یہ دل لگی نہیں !!!!! فرماتے حکومتیں اپنا کام کریں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ہم نے سرزمین پاک اور ملت اسلامیہ پاکستان کیلئے الحاق کا نعرہ لگایا اور قربانیاں دیں۔ پاکستان کی سرزمین ہماری امیدوں کا مرکز ہے جس کیلئے ہم نے برسوں سہانے خواب دیکھے تھے۔یہ ہے ایک عظیم قائد،ایک مردقلندر کا نظریہ جس سے جہاد کی جھلک واضح نظر آتی ہے مگر۔۔۔

اب کیا کریں جو دل کو لگا گئیں نہ خزاں سے ہم
رنگینیاں بہار کی لائیں کہاں سے ہم؟

جموں وکشمیر کی تاریخ کے لکھاڑی:

جدوجہد آزادی کشمیر پر بے شمار حضرات نے بہت کچھ لکھا۔بعض حضرات نے جموں وکشمیر کے عوام کی معاشرتی زندگی پر قلم اٹھایا۔اکثر نے جغرافیائی اور سیاسی زاویہ نگاہ سے حالات قلم بند کیے۔ان میں جموں وکشمیر کے بڑے قدکاٹھ کے رہنما اور نامور حضرات بھی شامل ہیں۔چند ایک کو چھوڑ کر اکثر حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن جدوجہد میں گرانقدر خدمات اور اپنی تصانیف کی بنا پر ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

آج سے تقریباً سو سال پہلے مولانا منشی دین فوق نے راجدھانی پونچھ کے علاقوں،سدھنوتی،راولاکوٹ،باغ،حویلی،مینڈھر،راجوری،نوشہرہ،ریاسی وغیرہ کا پیدل سفر کیا اور ''تاریخِ اقوام پونچھ'' کے نام سے کتاب لکھی۔جس میں ان علاقوں کے معاشرتی حالات کے ساتھ ان علاقوں کے معروف مذہبی اور سوشل خاندانوں کا ذکر ہے۔ ان میں لاہ شریف راجوری کے حضرت حاجی سید نوران شاہؒ کا بھی ذکر ہے۔مولانا

عبدالمجید سالک نے جدوجہد آزادی کشمیر کے صف اوّل کے دو رہنماؤں شیخ محمد عبداللہ اور چوہدری غلام عباسؒ کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں دو قومی نظریے کے علمبردار رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس نے ''کشمکش'' کے نام سے جدوجہد آزادی کشمیر میں اپنے تجربات، تجزیے اور تحریک آزادی کشمیر کے بعض واقعات کا خوبصورت انداز میں ذکر کیا۔ آپ کی پوری تحریر آپ کی طبیعت کی عکس ہے۔ صاف، شفاف اور نہائت سادہ اس میں کہیں بھی تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں۔

آزادی کشمیر کی جدوجہد میں رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے ساتھی 1939ء کے بعد بدقسمتی سے نیشنلزم کے داعی شیخ محمد عبداللہ نے ''آتشِ چنار'' کے نام سے جو کتاب لکھی اس میں انہوں نے اپنے ذہنی و فکری نظریے کو پیش نظر رکھا۔ کہیں بھارتی حکومت سے شکوے شکایات کہیں تو کہیں اپنی لاابالی طبیعت کا بھی اظہار کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر ان کا قدلانبہ نہ ہوتا تو چوہدری غلام عباسؒ کی سیاست انہیں ہضم کر چکی ہوتی۔

پاکستان کے قومی ترانے کے خالق، اردو کے ممتاز ترین نظم گو ابو الاثر حفیظ جالندھری کی زندگی کا بیشتر حصہ سری نگر میں گزرا۔ دربار گوہر بار وانگٹ مار شریف میں حضرت خواجہ خواجگان میاں نظام الدین لارویؒ کے مہمان ہوئے۔ کشمیر کی معروف جھیل ڈل، جھیل ڈل، اچھابل، خانقاہ معلیٰ، چشمہ شاہی، چشمہ ویری ناگ کی سیر و سیاحت ہمیشہ ان کے پروگرام میں شامل ہوتیں، وہ کشمیری کاریگروں اور مزدوروں کی بے کسی اور بے بسی کو دیکھتے اور کڑھتے۔ کشمیر کے کاریگر اپنے کام میں انتہائی مہارت کے حامل تھے مگر مہاراجہ کے کارندے ان سے نہائت برا سلوک کرتے۔ مزدوروں کو تو مزدوری سے اکثر محروم رکھتے۔ اس صورتحال کو دیکھ حفیظ جالندھری نہائت رنجیدہ ہوتے۔ انہوں

نے اپنی طویل ترین نظم موسومہ بہ "تصویرِ کشمیر" میں ان کاریگروں اور مزدوروں کی حالتِ زار کا ذکر بڑے دُکھے دل کے ساتھ کیا ہے یہاں اس کا بطورِ مثال ایک شعر نقل کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

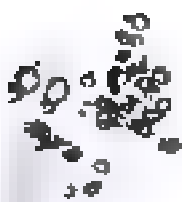
آؤ ویری ناگ دیکھیں، آؤ اچھا بل چلیں
ہستیٔ مزدور کو پیروں کے نیچے مل چلیں

جدوجہد آزادیٔ کشمیر کا آنکھوں دیکھا حال سید شاہ جنید تبسم (برادر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد) نے اپنی منظوم تصنیف "انقلابِ کشمیر" میں لکھا۔ یہ کتاب 1952ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں جموں میں ڈوگرہ فوجوں اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے غنڈوں کے ظلم واستبداد کا تفصیلی ذکر ہے، جس میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو دھوکے سے شہید کیا گیا۔ کتاب مذکور میں ریاسی، راجوری، مینڈھر وغیرہ میں مجاہدین کی گرانقدر قربانیوں کا منظوم تفصیلی ذکر ہے۔ مثال کے طور پر ہاڑسیداں باغ کے سید خادم حسین شاہ گردیزی شہید (سیکرٹری مسلم کانفرنس باغ) کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سید خادم حسین شاہ کو ڈوگرہ ملٹری نے گرفتار کیا۔ اپنے ہتھیار دکھا کر مرعوب کرنا چاہا، لالچ دیا گیا کہ اگر ہندوستان زندہ باد کہو اور پاکستان مردہ باد کا نعرہ لگاؤ تو چھوڑ دیئے جاؤ گے ورنہ ایک ایک اعضاء جسم سے الگ کر کے ماریں گے۔ اس پر حیدرِ کرار کے لختِ جگر للکارے۔

سنو اے لشکرِ کفار تم میری صدا سن لو
سنو اے دشمنِ اسلام تم میری صدا سن لو

میں سید ہاشمی ہوں اور علی حیدر کا پوتا ہوں
گرامی ہے نسل میری رسول اللہ کا دوہتا ہوں

مجھے گر قتل کر دو مار دو سنگسار کر ڈالو



زبان کاٹو، اگر ٹکڑے میرے دو چار کر ڈالو
میں ان نیزوں سے شمشیروں سے ہرگز ڈر نہیں سکتا
کسی صورت سے تائید باطل کر نہیں سکتا

یہ کہہ کر بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگا کر پاکستان زندہ باد، ہندوستان مردہ باد لگایا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان نے تحریک آزادی کشمیر پر کتاب تصنیف کی۔ اس میں انہوں نے کشمیر کے مستقبل پر تجویز پیش کی کہ مسئلہ کشمیر کا حل یہ بہتر ہوگا کہ ریاست جموں و کشمیر کو سوئٹزرلینڈ حکومت کی طرح State قرار دے کر یہ طے کیا جائے کہ سارے ملک اس کا احترام کریں تاہم مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادیں بھی موجود ہیں۔ جدوجہد آزادی کشمیر میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک نظریہ الحاق پاکستان ہے جس پر لاکھوں جانیں قربان ہوئیں۔ اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً مختلف تجاویز سامنے آتی رہتی ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر کے مشہور ولی اللہ سجادہ نشین راہ شریف راجوری سید حاجی بابا نوران شاہؒ نے اکتوبر 1948ء کو خواب دیکھا تھا کہ ہاتف سے آواز آئی کہ جریب پھینکو۔ جریب پھینکی گئی جو دریائے چناب کے مقام رام بن پر اس طرح پڑی کہ دریا سے اس پر ہندو آبادی والا حصہ بھارت میں چلا گیا اور بقیہ حصہ پاکستان کے ساتھ شامل ہوا۔ یہ خواب پاکستان کے قومی اخبارات کے علاوہ مرحوم سید حیدر شاہ غالب کی تصنیف ''رہبر طریقت'' اور مصنف کی تصنیف ''امام الانبیاءؐ'' میں چھپ چکا ہے۔ تاہم ایک تو بھارت بار، بار وعدہ خلافی کرتا آ رہا ہے پھر عالمی بڑی طاقتوں کی عدم دلچسپی اس کیلئے رکاوٹ بن رہی ہے۔ اللہ پاک کوئی غائب سے سبب پیدا کر دے تو یہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

محترم سردار محمد عبدالقیوم خان نے "مقدمہ کشمیر" کے نام سے اپنی تصنیف میں مسئلہ کشمیر کا باریک بینی سے جائزہ پیش کیا ہے۔ بلاشبہ مسئلہ کشمیر پر تحقیق میں سردار صاحب کا وسیع تجربہ ہے اس لحاظ سے ان کی کتاب مسئلہ کشمیر پر قیمتی دستاویز ہے۔

1958ء کی مشہور زمانہ تحریک (کے۔ایل۔ایم) پر ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب محمد یوسف صراف (مرحوم) جناب خواجہ عبدالصمد وانی (مرحوم) اور مولانا مہر الدین قمر راجوروی (مرحوم) نے اپنے اپنے انداز میں کتابیں لکھیں۔ اس میں تین ماہ کے دوران جاری رہنے والی تحریک کے حالات کا تفصیل سے جائزہ اور اس میں گرفتار ہونے والے قائدین اور کارکنوں کے نام تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ یہ تینوں حضرات تحریک آزادی کشمیر کے مقتدر رہنماء تھے۔ ان کی تصانیف تاریخ کیلئے قیمتی اثاثہ ہیں۔

تاریخ کشمیر کے موضوع پر باڑی گہل کے گردیزی خاندان کے ایک چشم و چراغ سید محمود آزاد نے کتاب تصنیف کی۔ سچی بات ہے کہ سید محمود آزاد نے اس کتاب کیلئے بڑی عرق ریزی کی حقیقی معنوں میں تاریخ کشمیر پر یہ قیمتی اثاثہ اور مکمل دستاویز ہے۔ اس میں کشمیر کے جغرافیائی معاشرتی حالات کے ساتھ کشمیر پر وقتاً فوقتاً حکمرانی کرنے والوں کے حالات کا تفصیل سے ذکر ہے خاص طور پر جدوجہد آزادی کشمیر کے آغاز سے جموں و کشمیر میں پرجا سبھا (قانون ساز اسمبلی) کے تمام ادوار کے حالات کا ذکر ہے۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں کشمیر کی تاریخ ہے۔ دکھ کی بات ہے کہ سید محمود آزاد کی اتنی محنت کا صلہ ہمارے حکمرانوں نے اس لیے دینا گوارہ نہ کیا کہ وہ اپنے بغیر کسی کو کریڈٹ دینے کے ہرگز روادار نہیں۔ اسی لئے عمر کے آخری حصہ میں یہ غریب تاریخ دان نہایت غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ سبھی سرکار کے دربار سے ملحق ایک

کمرے میں چارپائیاں بن کر بیچتا رہا۔ وہ اسی گوشۂ گمنامی میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔
برطانیہ اور یورپ میں مصنفین کو ایوارڈ دینے کے علاوہ خاص طور پر ان کی رہائش گاہ کے باہر تختی کندہ کی جاتی ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس کے نام کو یاد رکھیں لیکن ہمارے ہاں جغادری قلمکاروں کو بھی ایک حرفِ تحسین تک سے محروم رکھا جاتا ہے!!

جناب عبدالرشید ترابی جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر اور جدوجہد آزادی کشمیر کے رہنما ہیں ان کی تصنیف "میرے تجربات" تاریخ کشمیر میں ایک اچھا اضافہ ہیں۔ مگر ایک بات محل نظر ہے کہ وہ اپنی گفتگو اور تحریروں میں صرف 1985ء کے بعد کی زوردار تحریک کا ہی ذکر کرتے ہیں اور پاکستان جماعت اسلامی کے مرکزی قائدین بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی تحریک نئی نہیں بلکہ 1931ء کی تحریک آزادی کشمیر اور 1947ء کی مسلح جدوجہد کا تسلسل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تحریک 1985ء میں بڑی دیر یعنی نصف صدی بعد وادیٔ کشمیر سے شروع ہوئی جب کہ 1947ء کی مسلح جدوجہد اور 1965ء کی بھرپور تحریک میں وادی کشمیر پر امن رہی اور تحریک آزادی کشمیر کی ناؤ کنارے نہ لگنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔

پیر سید جماعت علی شاہ کا تاریخی اقدام:

مصنف صرف تاریخ کے ریکارڈ کیلئے وضاحت کرنا چاہتا ہے کہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب پندرہ سال کشمیر اسمبلی کے ممبر رہے اور اس سارے عرصہ میں انڈین آرمی کے زیر عتاب کیوں آئے؟ اس لئے کہ کشمیر اسمبلی کے ریکارڈ پر یہ واقع موجود ہے کہ جب پہلی بار وہ اسمبلی ممبر منتخب ہوئے تو انہوں نے نہایت جرأت سے کہا کہ وہ کسی طرح بھارت سے الحاق کے حلف نامہ پر دستخط نہیں کریں گے؟ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آج شریف طارق اس دنیا میں موجود ہیں اور نہ ہی پیر صاحب اس دنیا میں

موجود ہیں مگران کا بھارت سے الحاق نہ کرنے کا ریکارڈ اسمبلی میں تاریخ کشمیر کا سنہری باب ہے۔

محترم یوسف نسیم سابق چیئرمین حریت کانفرنس نے ''کاروان حریت'' کے نام سے اپنی خوبصورت تصنیف 1985ء کے بعد وادی کشمیر سے اٹھنے والی جرأت مندانہ تحریک کو خوبصورت انداز میں سمیٹا ہے۔ساتھ ہی انہوں نے دنیا کے میر سپاہوں کا ذکر کیا ہے ۔مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ بھی بے شمار حضرات قلمی جہاد کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔تحریک آزادی کشمیر کے بزرگ رہنماء ادیب دانشور راے،آر،ساغر ایڈیٹر'' جاوید ''جموں، چوہدری محمد عبداللہ ایڈیٹر'' ہفت روزہ کسان'' جموں، میر عبدالعزیز ایڈیٹر ہفت روزہ انصاف' راولپنڈی، شیخ گلزار احمد فدا ایڈیٹر ہفت روزہ'' جہاد'' سیالکوٹ، منشی معراج الدین، ایڈیٹر ہفت روزہ'' پاسبان''ملک فضل کریم برنالوی ایڈیٹر ہفت روزہ'' تنظیم'' بھمبر، ملک محمد زبیر زخمی ایڈیٹر ہفت روزہ'' جمیل'' ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر'' پیامِ انقلاب'' میر پور، خواجہ عبدالصمد وانی ایڈیٹر ہفت روزہ'' کشمیر'' جناب وحید چراغ ایڈیٹر ہفت روزہ'' چنگاری'' اور بے شمار دوسرے اہل قلم حضرات قلمی جہاد کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔جی ایم مفتی ایڈیٹر ہفت روزہ'' قائد'' جی ایم میر نے'' کیا مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے؟'' کے نام سے تاریخ میں خوبصورت اضافہ کیا ہے۔ان کے خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مگر انہوں نے جو واقعات بیان کیے انکی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

زید بن حارثہ کا جھلا:

بہت عرصہ ہوا پاکستان کے قومی روزنامہ'' نوائے وقت'' میں زید بن حارثہ کا جھلا کے عنوان سے ایک مضمون نظر سے گزرا۔اس کا خلاصہ یہ تھا کہ تحریک پاکستان کے

دوران ایبٹ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جلوس نکلتے۔ روزانہ صبح سویرے جلوس شروع ہوتا، جلوس کے آگے ایک جوان نہایت جوش وخروش سے نعرے لگاتا "بٹ کے رہے گا ہندوستان، بن کے رہے گا پاکستان" 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا۔ اس نوجوان سے نعرے لگوانے والے جھونپڑوں سے نکل کر اونچے بنگلوں میں پہنچ گئے۔ اور اس نوجوان کو سب بھول گئے۔ یہ بے چارہ محنت مزدوری کیلئے گلی کوچوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ لوگ اسے جھلا کہہ کر پکارتے رہے۔ ایک وقت وہ آیا کہ یہ جھلا مر گیا اور لوگ اس کی قبر تک کو بھول گئے ... یہ مضمون لمبا تھا، مصنف نے طوالت کے ڈر سے خلاصہ بیان کیا ہے۔

آزاد جموں وکشمیر کی تاریخ ان نعرے لگانے والے جھلوں سے بھری پڑی ہے۔ سید محمد عبداللہ آزاد کے عزیزوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان جھلوں پر مشتمل ہے جو اعلیٰ مقاصد کیلئے تحریک آزادی کشمیر کا پرچم بلند کیے دل کی گہرائیوں سے نعرے لگاتے رہے۔ چھوٹا گلہ میں سید غلام احمد شاہ اور ان کے عزیز کوٹلی میں ایم اے سرور، سید محمد علی شاہ، حاجی عباس علی شاہ (جہلم) سمیت بے شمار کارکن تھے جو شب وروز تحریک آزادی کشمیر کا پرچم بلند کر رہے تھے مگر سید وارث علی شاہ، سید محمد سرور شاہ، ہیڈ ماسٹر غلام احمد شاہ، حاجی محمد شاہ (جہلم) سید ولی شاہ سوہاوہ اور چکوال سے سید مظفر حسین نسیم، سید گلزار حسین شاہ، سید محمد غوث ہزاروی، حاجی سرفراز حسین اور دیگر کارکن بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

دیگر عظیم کارکنوں میں شیخ گلزار احمد فدا، سیالکوٹ، محمد اقبال مغل، گوجرانوالہ، محمد عبداللہ بٹ، پلندری، جی ایم مفتی ایڈیٹر "قائد"، پیر ریاض گیلانی، مظفرآباد... غرض ایک طویل فہرست ہے ان میں سے سوائے چھوٹا گلہ کے باقی کارکنوں کی اکثریت

کسمپرسی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئی۔ جو چند کارکن زندہ ہیں اگر کسی اجتماع میں بھول کر تحریک آزادیِ کشمیر کا ذکر آ جائے تو یہ کارکن ایک دوسرے کو دیکھ کر سوال کرتے ہیں کیا تحریک آزادی کشمیر کی ان لوگوں کے نزدیک کوئی اہمیت ہے جو آزاد جموں و کشمیر میں بار بار اقتدار کے مزے لوٹتے رہے۔ جنہوں نے تحریک آزادی کشمیر کی وارث جماعت کے چراغوں سے روشنی ختم کر دی۔

چلتے چلتے ان لوگوں کے ہاتھوں ڈسے ہوئے ایک دو عظیم کارکنوں کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آ جائے تو اچھی بات ہو گی۔ مصنف ایک بار مظفر آباد سیکرٹریٹ گیا، وہاں وزیر اعظم آفس سے پہلے وزراء کے بلاک کی طرف دائیں کھڑا تھا سڑک کی دوسری طرف سے آواز آئی آغا بات سنو، دو دن سے بھوکا ہوں۔ وزراء کے دفاتر کے چکر لگا، لگا کر تھک گیا ہوں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ میں نے دیکھا یہ سید نصیب الحسن بخاری تھے۔ رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے بھانجے۔ تحریک آزادی کشمیر کے انتہائی جانفروش کارکن۔ 1964ء کو شیخ محمد عبداللہ اعلیٰ سطح کے وفد کے ساتھ راولپنڈی آئے۔ جونہی چک لالہ کے ہوائی اڈہ پر جہاز اترا اور جہاز کا دروازہ کھلا یہ عظیم کارکن بجلی کی تیزی سے سیڑھی سے اوپر گئے اور شیخ صاحب کے آگے کھڑے ہو گئے اور اونچی آواز سے پکارے جناب شیخ صاحب! غدار اعظم، 1947ء کو آپ نے پوری قوم کے ساتھ زیادتی کی جس کا خمیازہ آج تک جموں و کشمیر کے عوام بھگت رہے ہیں۔ خدا کا واسطہ آج وقت ہے۔ قوم آپ سے توقع رکھتی ہے کہ دوبارہ ایسا نہ کریں گے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ سیکورٹی والوں نے سیڑھیوں سے ہی گرفتار کر لیا۔ وہ عظیم کارکن جس نے مسلم کانفرنس کا پرچم بلند رکھنے کیلئے ہر لمحہ جدوجہد کی۔ آج زید بن حارثہ کے جھنڈے کی طرح اپنی جماعت کے وزراء کے دروازوں کے باہر بھوک سے بلک رہا تھا۔ صاحبزادہ سید

شوکت علی شاہ نے اسمبلی کے فلور پر یہ معاملہ اٹھایا مگر کون سنتا؟ نصیب الحسن بخاری بیمار پڑ گئے۔ بھلا ہو راجہ محمد ذوالقرنین صاحب کا وہ آزاد کشمیر کے صدر تھے انہوں نے چپڑاسی کو بھیج کر بلایا اور پورے دو ماہ تک اس عظیم کارکن کی دواؤں اور خوراک کا بندوبست کرتے رہے اور جب نصیب الحسن بخاری فوت ہوئے تو ان کے کفن دفن کا سارا انتظام اعزاز کے ساتھ کیا جبکہ وزیر اعظم سردار عتیق احمد خان اور ان کے وزراء کو فاتحہ خوانی کی توفیق بھی نہ ہوئی۔

دوسری کہانی بعد روا ہ کے مہاجر مجاہد عبداللہ بٹ ساکن بارل، پلندری کی ہے جہاں وہ ہجرت کے بعد مقیم ہوئے۔ مسلم کانفرنس کے جانفروش کارکن رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کے فدائی "عبداللہ پیدل" کے نام سے مشہور تھے کہ نہائت غریب تھے۔ راولپنڈی، مظفرآباد اور جہاں کہیں مسلم کانفرنس کا جلسہ ہوتا دو تین روز پہلے ہی گھر سے پیدل چل پڑتے اس لئے کہ ان کی جیب خالی ہوتی۔ آ کر اسی کسمپرسی میں سواد اعظم مسلم کانفرنس کا یہ مخلص اور دیرینہ کارکن زید بن حارثہ کے جھلا کی طرح گوشہ گمنامی میں دُنیا سے چلا گیا۔

تحریک آزادی کشمیر کے نہائت سرگرم رہنما شیخ گلزار احمد فدا 1968-69 کے دوران آزاد جموں و کشمیر کی انتخابی مہم میں سارے آزاد کشمیر میں اور پشاور سے کراچی تک محترم سردار محمد عبدالقیوم خان کے ہمسفر رہے۔ لیپہ، کرناہ سے اوپر پہاڑی سلسلہ میں میلوں پیدل چلتے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ جب میں ان سے پوچھتا کہ اتنی تکلیف کیسے برداشت کریں گے، واپس مظفرآباد چلے جائیں تو ایک عزم اور حوصلے سے کہتے محترم! آپ جانتے ہیں مجاہد اوّل کے مدمقابل بڑے قد کاٹھ کے لوگ ہیں اگر ہم اتنی تکلیف برداشت نہ کریں گے تو کامیابی کیسے ممکن ہوگی؟ کارروائی کی

رپورٹنگ میں فدا صاحب کا کوئی ثانی نہ تھا۔

آج سے نصف صدی پیشتر کی بات ہے اس وقت سردار عتیق احمد خان پرائمری کے طالب علم ہوں گے۔ دمہ، دل اور شوگر کی بیماریوں کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یار لوگ تکلیف کر کے فاتحہ خوانی کیلئے بھی نہ گئے۔ مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل شاہ غلام قادر تو قربانیوں پر چرکوں پر چرکے لگاتے رہے۔ مصنف تو جب گزشتہ ماضی کے نصف صدی کے واقعات ذہن میں آئیں تو جی کرتا ہے:

یادِ ماضی عذاب ہے یا ربّ
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

1958ء کی مشہور زمانہ تحریک (کے ایل ایم) کے دوران رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کی خواہش پر سید محمد عبداللہ شاہ آزاد نے مصنف کو تحریک کی منادی کی ذمہ داری دی۔ مصنف کے ہمراہ حاجی سرفراز حسین راحل بھی تھے۔ یہیں سے قائد ملتؒ سے قریب ہونے کا موقع ملا۔ قائد ملت کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ مسلم کانفرنس کا ہر کارکن یہ سمجھتا تھا کہ آپ دوسروں کی نسبت اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں اس وقت مصنف تیسری صف کا کارکن تھا۔ اس وقت کے کئی واقعات ایسے ہیں کہ قائد محترم مصنف سے نہایت شفقت سے پیش آئے۔ 1967 میں دنیا سے رخصت ہوئے تو فضا ہی بدل گئی۔

راقم الحروف نے 1966ء میں حضرت سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کی ہدایت پر لیاقت روڈ راولپنڈی میں قائم آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے دفتر کا چارج سنبھالا اس دوران چھ، چھ ماہ تک گھر جانے کا موقع نہ ملا۔ رات کو لکڑی کی کرسیاں جوڑ کر سوتا۔ صبح رات کی بچی روٹی اور چائے کا کپ ناشتہ ہوتا۔ دفتر میں نہ فون نہ موبائل کا نام ونشان۔ ہر کام کاربن پر ہوتا۔ راولپنڈی سے مظفر آباد، راولاکوٹ، کوٹلی، عباس پور دو

تین سو گاڑیوں کے آگے کھلی جیپ پر دس بارہ گھنٹے یہ ترانے فضاء میں گونجتے

اُٹھ جاگ مسلماں ہوش میں آ دو دیکھ مجاہد ہے آیا

ہے خالد و طارق کا جذبہ اور جرأت و ہمت ٹیپو کی

یہ عظمتِ ملت کا داعی، پیغام اخوت ہے لایا

مظفر آباد سے آگے اُٹھمقام جاتے ہوئے ہمارا قافلہ نوسہری سے آگے جھورہ کے قریب پہنچتا تو سامنے دریا کے دوسری طرف بھارتی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر نظر آتا۔ دریا کے دوسری طرف سے گفتگو بآسانی سے سنائی دیتی۔ مصنف یہاں پہنچ کر ضرورت سے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا۔ مذکورہ بالا ترانہ پڑھنے کے بعد اونچی آواز سے پکارتا کہ 1947ء کو یہ خطہ آزاد کرانے والا مجاہد اوّل آ رہا ہے۔ گلزار احمد فدا مرحوم کہتے کہ زیادہ جوش نہ دکھاؤ، کہیں ہم ان کے فائر کا نشانہ نہ بن جائیں۔

پشاور سے کراچی تک ہر چھوٹے بڑے شہر میں سردار صاحب کے جلسوں کا پروگرام کامیابی سے ہمکنار کرنے کے بعد ایک بڑے جلوس کے آگے راولپنڈی سے مظفر آباد جلوس کے آگے کھلی جیپ پر حلف برداری کی تقریب میں شرکت کیلئے کمنٹری کرتے ہوئے جب مظفر آباد پہنچے تو حلف اٹھانے کے بعد وہ.... پہلے والے سردار صاحب ایک دم غائب ہو گئے۔ انہوں نے ہم دیرینہ، بے لوث و مخلص کارکنوں سے ایسے نظریں پھیر لیں کہ کبھی آشنا ہی نہ تھے۔ دھیر کوٹ کے راجہ محمد ایوب خان نے سخت احتجاج کیا کہ آغا شاہ جی نے جس محنت سے آپ کے ساتھ دو تین سال لگاتار جماعت اور آپ کی خدمت کی ہے، دوسرا کوئی نہ کر سکتا تھا۔ یہ زیادتی نہ کریں مگر کامیابی کے بعد وہ لوگ سردار صاحب کی ناک کا بال بن گئے جو ماضی میں گالیاں دیتے تھے۔

1985ء کے بعد رہی سہی کسر سردار عتیق احمد خان نے پوری کر دی یہ رنگ بدلا تو سردار

عتیق احمد خان نے مسلم کانفرنس کا حشر نشر کر دیا اور یوں عملی صورت حال یہ بنی کہ:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

راقم کو بیماریوں نے آگھیرا۔ گلے کا موذی مرض کینسر لاحق ہوا۔ پچھلے دنوں سردار صاحب کے ہمراہ گذرا ہوا وقت یاد آیا۔ خیال آیا، چلو سردار صاحب کو دیکھ آؤں۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ بے خیالی میں اکیلے ہی چل پڑا۔ نہ بیماری کا خیال، نہ گاڑی کا انتظام مجاہد منزل پہنچا تو میری سانس پھولی ہوئی تھی۔ سردار عتیق اوپر موجود تھے، میں نے پیغام بھیجا کہ سردار صاحب کو دیکھنے آیا ہوں، سلام دعا کی خواہش ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا، میں مصروف ہوں اور سردار صاحب آرام کر رہے ہیں۔ یہ تک نہ کر سکے کے اخلاقی جرأت کرتے اور یہ بات ذاتی طور پر بتا کر کہہ دیتے مگر جب کسی کی گردن میں سریا آجائے تو وہ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کیسے کرے؟ میں بھی تو زید بن حارثہ کا جھلا ہی تھا اور مجھ ایسے مسلم کانفرنس کے جھلوں کی ایک لمبی فہرست ہے!

قیام راولپنڈی کی یادیں

میری زندگی کے ابتدائی ایام 1956ء سے فیض الاسلام ہائی سکول ٹرنک بازار میں آٹھویں کلاس میں داخلے سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کی سرپرستی کا سہرا حضرت سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے سر ہے۔ سچی بات ہے کہ راولپنڈی میں قیام کے دوران مصنف نے اپنے دامن میں بہت کچھ سمیٹا۔ اس کا اظہار تفصیل سے شائد ممکن نہ ہو۔ آج اس کا اظہار خود نمائی نہیں بلکہ تلخ نوائی ہے۔ حضرت آزاد قبلہ نے مصنف کا تعارف رئیس الاحرارؒ سے کروایا پھر تو ہر دوسرے تیسرے روز میو روڈ پر چلا جاتا۔ قائد محترم کی شفقت بھری باتیں سن کر رخصت ہوتا۔ فرماتے تعلیم پر توجہ دو اور کوئی تکلیف ہو تو بلا جھجک بتانا۔ اے کاش! وہ دن پھر لوٹ آئیں؟

میں فیض الاسلام سے لیاقت باغ کی طرف نکلتا تو راستے میں لیاقت روڈ پر دائیں طرف کشمیر پیپر مارٹ کا بورڈ نظر آتا۔ یہاں جموں شہر کے مردم خیز خطہ کے عظیم رہنما جناب اے، آر، ساغر رہائش پذیر تھے۔ جموں شہر میں کتابوں کی مارکیٹ کے مالک تھے یہاں بھی وہی کام شروع کیا۔ ادیب نکتہ دان ایسے کہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ریمارکس تھے:

ساغرؔ سے کہا میں نے کہ اے رونق محفل
تحریر تیری شستہ ہے تقریر شگفتہ

..... میں اس نابغۂ عصر کی خدمت میں روز حاضری دیتا۔ کبھی کبھی پرانی یادیں ان کے ذہن میں آتیں تو از راہ تاسف ماضی کے تلخ واقعات کی نقاب کشائی کرتے۔ اس

ساری جدوجہد کو منزل سے دور پاکر خاموش ہو جاتے۔

مصنف نے لیاقت باغ کے وسیع پنڈال میں بڑے بڑے زعماء کو سنا ان کے خیالات آج تک ذہن میں ہیں۔ خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقیؒ ان کے رفقا عبدالصمد سراج اور صادق پاکستانی کو سنا۔ اسی لیاقت باغ میں مشرقی پاکستان کے مولانا بھاشانی کو متاثر کن تقریر کرتے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے ۔۔ "پاکستان وڈیرے اور جاگیردار کا نہیں بلکہ پاکستان تانگا والا کا، پاکستان ریڑھی والا کا، کھوکھے والا کا ہے۔" مولانا دائیں بازو سے تعلق کی بناء پر ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنتے تھے۔ مگر سچی بات ہے کہ لیاقت باغ میں انہوں نے پاکستان کے نام پر غریب کے حق میں اچھی باتیں کیں۔ یہ 1959ء کا ذکر ہے مجمع نے مولانا بھاشانی کو غور سے سنا مگر ان کے فوراً بعد خان عبدالغفار خان تقریر کیلئے سٹیج پر آئے تو لوگوں نے خان صاحب پر انڈوں اور ٹماٹروں کی بارش کر دی۔ ایک شور اٹھا، مگر خان عبدالغفار خان نے کسی بھی طرح چہرے پر پریشانی نہ آنے دی اور پندرہ، بیس منٹ تک گفتگو کر کے اطمینان سے نیچے آئے اور اپنے کارکنوں کے ہمراہ پیدل فیض آباد (اس وقت چونگی نمبر 9) کی طرف نکل گئے۔

اسی تاریخی جلسہ گاہ میں تحریک پاکستان کے عظیم رہنما سردار عبدالرب نشتر کو گفتگو کے پھول برساتے سنا اور اسی لیاقت باغ میں مجاہد رکن سید قاسم رضوی کو بھارتی جارحیت کا پردہ چاک کرتے دیکھا۔ لیاقت باغ کے اسی تاریخی میدان میں سردار بہادر خان نے اپنے ڈکٹیٹر بھائی فیلڈ مارشل ایوب کو مخاطب کرتے ہوئے یوں دردِ دل سے حالات کا نقشہ کھینچا تھا کہ:

ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا؟

مرحوم سردار خان بہادر خان حالات کا ادراک رکھتے تھے۔ ان کے دل میں

درد تھا اور تڑپ بھی وہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن اور بھارتی حکمرانوں کی اگر تلہ میں کی گئی سازش اور چھ نکات سے آگاہ تھے۔ وہ چیختے رہے مگر یہاں تو انجمن ہی بدل گئی تھی کون توجہ کرتا؟ آخر 1971ء کو تاریخ کا المیہ، پاکستان کا دولخت ہونا۔ ملت اسلامیہ پاکستان کی پشیمانی اتنا بڑا المیہ رونما ہوا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آج بھی حالات وہی ہیں کہ:

کل مشورہ ہوا ہے یہ غیروں کی انجمن میں
باقی نہ جان چھوڑو اسلامیوں کے تن میں

اللہ کرے ملت اسلامیہ پاکستان اب بھی ایسے کسی حادثے کا شکار نہ ہو۔ یہ ملک بچے نظریے، عقیدے اور نصب العین اور بنیادی اساس پر پھلے پھولے اور دنیا میں باعزت مقام حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں ملک کے بہی خواہوں کو احساس ذمہ داری کرنے کے ساتھ اندرون ملک اچھی سوچ کے لوگوں کی کمی اور بیرون ملک ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا ادراک کرنا ہوگا؟

رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کے جانشین:

آزاد جموں وکشمیر کی تاریخ میں 1970 کے انتخابات اس لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے کہ پہلی بار پورے آزاد جموں وکشمیر اور پاکستان میں مقیم مہاجرین کے لاکھوں ووٹران نے ان انتخابات میں براہ راست امیدواروں کو ووٹ دینا تھا۔ اس سے قبل 1962ء کے بی۔ ڈی انتخابات میں رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی موجودگی میں محترم سردار عبدالقیوم خان، جناب کے ایچ خورشید سے شکست کھا چکے تھے۔ 1970 کے انتخابات میں محترم سردار صاحب کے مدمقابل جناب سردار محمد ابراہیم کی برادری کے ساڑھے تین لاکھ سے زائد ووٹ تھے۔ اس کے ساتھ میرپور

کوٹلی سے جاٹ برادری جناب چوہدری نور حسین کی قیادت میں ان کے ساتھ تھی۔ دوسرے امیدوار جناب کے ایچ خورشید تھے۔ جنہوں نے آزاد جموں و کشمیر کے دور دراز علاقوں بالخصوص کشمیری سپیکنگ حلقوں میں اپنی جماعت لبریشن لیگ کی جڑیں بہت مضبوط کر رکھی تھیں۔ محترم راجہ ذوالقرنین خان، سید حسن شاہ گردیزی اور سردار رحمت اللہ جیسے لوگ ان کے ساتھ تھے جبکہ محترم سردار محمد عبدالقیوم خان کی برادری کے کل 32 ہزار ووٹ تھے۔ پھر جماعت کے انتہائی سنیئر رہنما نیم دلی سے ان کی حمایت کر رہے تھے۔ اس صورت حال نے بڑی حد تک محترم سردار صاحب کو مایوس کر دیا تھا۔

ایسی صورت حال میں سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے عزیزوں نے ان کے حکم پر اس انتخابی معرکہ کو سر کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس جوش و جذبہ سے یہ انتخابی مہم چلائی گئی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا سردار صاحب کے حق میں اس مہم نے جادو کر دیا ہے۔ برنالہ سے لیکر کیل، گریز تک ہر چھوٹے بڑے کی زبان سے ایک ہی آواز سنائی دیتی تھی کہ مسلم کانفرنس کا انتخابی نشان گھوڑا۔ چھوٹا گلہ سے سید غلام احمد شاہ کے جانباز ارجہ، دھیر کوٹ، کوہالہ ہوتے ہوئے مظفر آباد پہنچے۔ ان کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز گونجی، ادھر زدال سرائے عالمگیر سے حاجی سید طٰسین شاہ سوہاوہ، کوہ مری کو عبور کر کے کوہالہ سے گزرتے دونوں گروپوں کے لاؤڈ اسپیکر کی آوازیں فضاء میں ارتعاش پیدا کرتیں۔ مصنف کے کھلی جیپ پر ترانے اور نعروں کی آوازیں آزاد جموں و کشمیر کے پہاڑوں سے ٹکراتیں تو عجیب سماں بندھ جاتا۔ یہ حقائق ہیں، کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

اس انتخابی معرکہ کے دوران مظفر آباد کے اپر اڈہ میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا انتخابی جلسہ ہوا۔ جلسہ کے اختتام پر محاذ رائے شماری کے رہنما محمد یوسف زرگر نے مصنف کو اس انتخابی معرکہ میں کامیابی کی پیشگی مبارک باد دی اور کہا کہ زمینی حقائق

بتاتے ہیں کہ آپ لوگوں کو اس انتخاب میں کامیابی ملے گی۔ میں نے کہا آپ نے یہ بات اتنے اعتماد کے ساتھ کیسے کہہ دی؟ کہنے لگے ابھی اس اجتماع میں آپ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے، لاؤڈ اسپیکر پر آپ لوگوں کا جوش وخروش دیکھا۔ یہ صورت حال آپ کے خلوص کو ظاہر کرتی ہے اور خلوص ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ مگر میری ایک بات غور سے سنو یہ جوش وخروش دکھانے والے تم لوگ اقتدار کے قافلہ میں شریک نہیں ہو گے۔ یہ دنیا کی ریت ہے مسلم کانفرس جیتے گی آپ لوگوں کی مخلصانہ کوششیں رنگ لائیں گی۔ مگر ثمرات کا ثمر آپ لوگوں کو نہ ملے۔ .. آج تقریباً نصف صدی گزرنے کے بعد میں ماضی کو یاد کرتا ہوں تو پیر حضرت سید آمین شاہ بخاریؒ اور محمد یوسف زرگر مرحوم کی پیشنگوئی یاد آتی ہے۔

ان انتخابات میں جن عظیم مخلص لوگوں نے شب و روز محنت کی ان میں جسٹس (ر)، بشارت احمد شیخ، خواجہ عبد الصمد وانی، ڈاکٹر محمد یعقوب ظفر، راجہ نجیب خان برادرم، جی ایم مفتی، مرزا غلام رسول بیگ، شیخ گلزار احمد فدا، ان زعماء کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ سب ہمہ وقت آزاد جموں وکشمیر میں ہمارے ہمسفر رہے۔ سوائے بشارت احمد صاحب شیخ کے یہ بکھ ساتھی کئی کئی بیماریوں کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ مختصر تجزیہ آزاد جموں وکشمیر کے 1970 کے تاریخی انتخابات کا ہے۔ مصنف کے ذہن میں ماضی کی یہ تلخ یادیں گردش کرتی ہیں تو ذہن پر گویا منوں بوجھ آجاتا ہے کہ میرے مولا کریم کہاں رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس اور کہاں انکی جانشینی کا دعوی کرنے والے

ایں خیال است ومحال است وجنوں!

جن کے خیال سے مشکل دور کے ساتھی اتر جائیں۔۔ اور منزل پر پہنچ کر ڈاکٹر سلام الدین نیاز جیسے چہرے اقتدار کے ایوانوں کی زینت ہوں۔ ماضی میں گاہیاں

دینے والے ناک کا بال بن جائیں جو کھل کر موروثی سیاست کو جنم دیں۔ نہیں ہرگز نہیں وہ رئیس الاحرار کے جانشین کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں۔ جنھوں نے قائد ملت کی جماعت لاکھوں شہداء کی وارث تنظیم کے چراغوں سے روشنی ختم کر دی۔ شہداء کی روحیں ضرور ان کے گریبان پکڑیں گی اور جلد یا بدیر لیکن اسی دنیا میں، ہمارے آپ کے سامنے سیاسی امانت میں بدترین خیانت کے مرتکبین کا حشر دنیا دیکھے گی۔

حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کی تبلیغ دین کیلئے خدمات:

سلطان الاولیا حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ کا علم دین کیلئے ایک منفرد انداز تھا۔ جموں وکشمیر میں اس دور میں غربت، بے روزگاری، جہالت کا دور تھا۔ کسی کے کوئی وسائل نہ تھے۔ ہندوؤں نے ''شدھی'' کی تحریک چلا رکھی تھی۔ غریب مسلمانوں کو پیسے لالچ سے اسلام سے متنفر کر کے ہندو مت میں داخل کرتے تھے۔ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ دورہ پر ہوتے تو جہاں لوگوں کو خود درس و تدریس دیتے وہاں علماء سے مختلف مسائل پر تقریریں کرواتے۔ آپ کے خلیفہ مولوی مہر دین قمر راجوروی نامور عالم دین اور بلند پایہ صوفی شاعر، ساری زندگی آپ کے ہمراہ رہے۔ بیرون کشمیر خصوصاً ہزارہ سے جید علماء اور قراء حضرات دربار پر موجود رہ کر لوگوں کو علم دین کا درس دیتے۔ اس سے خاص طور پر ان کی برادری کے لوگ دین کے علم سے روشناس ہوئے بلکہ ان کے صاحبزدگان حضرت مولوی حبیب اللہ شاہ ضیا شورش جابلی نے اس ماحول سے ایسا استفادہ کیا کہ شوق علم میں برصغیر ہندوستان کے مختلف اضلاع میں علم دین میں کامل دسترس حاصل کی۔ آپؒ کے صاحبزادے حضرت سید یٰسین شاہؒ خصوصاً حضرت حکیم سید امیر حیدر شاہؒ ایک جید عالم تھے۔ اس ماحول سے فیض پا کر آپ کے صاحبزدے جانشین سید محمد عبداللہ شاہ آزاد ذہنی و فکری طور پر عشق رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیکر تھے۔ سخاوت میں باکمال، طبیعت میں بے مثال۔ حضرت حاجی باباؒ کی طرح آپ نے بھی وہی خاندانی ماحول اپنا رکھا تھا۔ دورہ پر ہوتے تو نعت خوانوں کو ہمراہ رکھتے۔ معروف نعت خوان عبدالرزاق جامی، فضل مجاہد جہلمی ہمیشہ ہمراہ ہوتے۔ اولاد کی ذہنی وفکری تربیت کیلئے قراء حضرات کو مامور رکھا تھا۔ دربار عالیہ گولڑہ شریف، دارلعلوم جامعہ انوار العلوم ملتان اور دیگر علاقوں سے قاری نور محمد اٹک، قاری ضیاء الرحمن وغیرہ بلا رکھے تھے۔ حضرت حاجی باباؒ کے صاحبزادے حاجی سید محمد شاہ ؒ نے گھریلو ماحول اور علماء سے اتنا کچھ حاصل کیا کہ کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔

فاضل نکتہ داں، عربی، فارسی میں بڑی دسترس تھی۔ ان سے چھوٹے بھائی (شہید) سید جنید شاہ نسیم نہایت باکمال انسان، ادیب فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے تحریک آزادی کشمیر میں گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ 1952ء میں آپ کی منظوم کتاب "انقلاب کشمیر" شائع ہوئی جو جدوجہد آزادی کشمیر کے بارہ میں ہے۔ حضرت حاجی باباؒ کے چھوٹے صاحبزادے سید نذیر احمد شاہ سرکوٹ کشمیر میں ہیں جو معروف روحانی پیشوا حضرت پیر سید جماعت علی شاہ بخاریؒ کے داماد ہیں۔ حضرت حاجی باباؒ کے پوتوں میں مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ کے ایک صاحبزادے سید لال حسین قلندر (بنیاں شریف) ایک درویش اور صاحب نشین ہیں دوسرے صاحبزادے سید نثار حسین افگار ایک منجھے ہوئے سیاسی کارکن اور سوشل ورکر ہیں۔ سید ضیاالحسنین نسیم شاہ حبیبؒ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی اور نہایت متحرک نوجوان ہیں جنہیں اپنے گرامی قدر والد کا سجادہ نشین بھی مقرر کیا گیا ہوا ہے۔

حضرت سید یٰسین شاہ کے صاحبزادے سید مظفر حسین شاہ بھی ایک درویش منش فقیر ہیں جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں اور صوفیانہ شاعری میں بھی درک رکھتے ہیں۔

حکیم سید امیر حیدر شاہ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے سید آفتاب حسین شاہ (مرحوم) بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حکیم سید اقبال حسین شاہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ حکمت کے پیشے سے منسلک، ماہر حکیم ہیں اور سوہاوہ شہر میں حکمت کا کام کرتے ہیں۔ سب سے بڑے خدا رحمت کرے۔ حضرت سید محمد عبداللہ شاہؒ کے صاحبزادگان میں سید شوکت علی شاہ ایک سیاسی رہنماء ہیں۔ آزاد جموں وکشمیر کے وزیر خوراک رہے، آج کل بھی قانون ساز اسمبلی کے ممبر، وزیر خوراک حکومت آزاد کشمیر اور دربار عالیہ نور پور سیداں کے جانشین ہیں ان سے چھوٹے سید محمد علی، سید امجد علی شاہ، کیپٹن (ر)، کرام علی شاہ اور ظفر علی شاہ نور پور سیداں سوہاوہ میں ہوتے ہیں ۔امجد علی شاہ ایک سیاسی کارکن اور سوشل ورکر ہیں جامع مسجد نور پور سیداں کے ماحول میں دلچسپی لیتے ہیں۔

صاحبزادہ سید واجد علی شاہ، سید اصغر علی شاہ، سید عباس علی شاہ، حاجی سید نور علی شاہ، محنت مزدوری کیلئے امریکہ میں ہیں۔ وہاں تحریک آزادی کشمیر میں بھی سرگرم حصہ لیتے ہیں۔ سید واجد علی شاہ ایک سیاسی رہنماء بھی ہیں۔ آزاد جموں وکشمیر قانون ساز اسمبلی کا انتخاب بھی لڑ چکے ہیں۔ نور پور سیداں کی بستی ان کے والد محترم نے 1966ء میں قائم کی۔ آج یہ بستی جہاں حضرت حاجی باباؒ کا دربار ہے اور ساتھ ہی حضرت سید محمد عبداللہ شاہ آزاد بھی محو خواب ہیں۔ جہاں ہر سال 10، 11 اپریل کو سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ پاکستان کے چوٹی کے مشائخ حضرت شیخ الاسلام کا خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کئی بار یہاں تشریف لائے۔ نامور علماء کرام حضرت بابا صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب، ابو الحقائق علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی، علامہ محمد شریف نوری، صاحبزادہ محمود شاہ گجراتی۔ علامہ العصر سید عبدالقادر شاہ جیلانی گنج بھا راولپنڈی والے، علامہ مفتی مختار

احمد گجراتی، علامہ پیر سید حسین الدین شاہ صاحب (سبزی منڈی راولپنڈی) کئی بار یہاں تشریف لائے۔ ملک کے معروف قراء حضرات حضرت قاری خوشی محمدؒ الازہری، حضرت قاری غلام رسولؒ کو خصوصی طور پر بلایا جاتا تھا۔ حضرت حاجی باباؒ کے پوتوں میں حاجی سید محمد شاہؒ کے صاحبزادے حاجی یوسف علی نورانی ایک فقیر اور درویش ہیں۔ دربار عالیہ کے مریدین سے بڑا رابطہ رکھتے ہیں۔ سچی بات ہے کہ دربار عالیہ کے متعلقین اور مریدین سے یہ برابر رابطے میں ہیں اسی وجہ سے عرس کا رنگ دوبالا رہتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ میور روڈ اور جناب اے، آر، ساغر کی رہائش گاہ کے بعد نور پور سیداں سوہاوہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ کئی بار قائد ملت کی تشریف آوری ہوئی۔ یہیں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ سے 1969ء میں سردار صاحب کو حکمت عملی کے ساتھ آزاد کشمیر سے صدارتی امیدوار مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کے چوٹی کے زعماء ہمیشہ آتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے بفیضان نظر حضرت حاجی بابا نوران شاہؒ قیامت تک جاری رہے گا۔

آفتاب معرفت حضرت حاجی باباؒ کا شجرۂ نسب:

اسم گرامی سید نوران شاہ المشہدی کاظمی۔ المعروف حاجی بابا۔ نجیب الطرفین سید 36 ویں پشت میں مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد سے برصغیر میں آئے۔ تیس سال روہڑی، سکھر (سندھ) میں رہائش پذیر رہے۔ وہاں سے سید کسراں تحصیل گوجر خان میں آباد ہوئے۔ اس شاخ سے قلندر زمانہ حضرت شاہ عبداللطیف بری امام جلوہ گر ہوئے۔ موضع چاولی کرسال میں حضرت حاجی بابا کے جد اعلیٰ حضرت شاہ غالبؒ ہوئے۔ حضرت شاہ چن وزیراخؒ بھی اس شاخ المشہدی کاظمی کے ایک پھول تھے۔ حضرت حاجی باباؒ کے بزرگ یہاں سے ہجرت کر

کے بالاکوٹ، ہزارہ چلے گئے۔ ہزارہ کے مختلف موضعات پر آپ کی برادری کے لوگ جا کر آباد ہوئے۔ حضرت حاجی بابا کے والد گرامی حضرت سید مرید حسین شاہؒ موضع جبلی جو سچ میں آباد ہوئے۔ یہاں ابدال زمانہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کی پیدائش ہوئی۔ زمانہ پیدائش برصغیر میں کا دور غدر تھا کہا جاتا ہے کہ 1855ء اور 1860 کے درمیان آپ کی پیدائش ہوئی۔ واللہ اعلم! ہزارہ میں سید احمد بریلوی کی سکھوں کے ساتھ شدید لڑائی کے دوران حضرت سید مرید حسین شاہ الکاظمی مشہدی اپنے خاندان کے درجنوں کنبہ جات کے ہمراہ ہزارہ سے براستہ مظفرآباد کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے۔

مظفرآباد میں گن چھتر کے مقام پر اوپر حضرت سید جنید شاہ کاظمی کا دربار اس خاندان کاظمیہ کے جد اعلیٰ کا مرجع خلائق ہے۔ بالاکوٹ میں اس سلسلہ کاظمیہ کے اکثر سادات اب بھی موجود ہیں۔ حضرت سید مرید حسین شاہ کاظمیؒ نے وادی کشمیر میں سنگروس ضلع اسلام آباد جا کر رہائش اختیار کی اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار دریائے جہلم کے کنارے موضع سا تھریاں میں سرائے علی آباد کے قریب واقع ہے ابدال زمانہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ لاہ شریف سے راجوری تشریف لائے۔ چونکہ سرمائی مقام ہے۔ موسم سرما میں آپ یہاں تشریف لاتے اور موسم گرما میں سنگروس میں رہائش پذیر ہوئے۔

آپ کی برادری کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ آپ کے بڑے بھائی پیر مخدوم شاہ راجوری میں دریائے توی کے دوسری جانب موضع دوداسن میں آباد ہوئے اور چھوٹے بھائی حضرت پیر سید سلیمان شاہ (شہید 1947ء) بھی لاہ شریف راجوری میں رہائش پذیر ہوئے۔ راجوری میں ہی موضع سیماں میں حضرت حاجی باباؒ کے ایک عزیز سید حیدر شاہ کاظمی آباد ہوئے جو اس علاقہ کے نمبردار اور قادر الکلام شاعر تھے۔ 1965ء میں

انہوں نے اپنے مکان پر پاکستانی پرچم لہرایا تو بھارتی فوجوں نے نمبردار حیدر شاہ صاحب کو گرفتار کر لیا اور بعد ازاں شہید کر دیے گئے۔ نمبردار سید حیدر شاہ (شہید) مولوی سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ کے ماموں تھے۔

حضرت حاجی بابا سید توران شاہؒ کی برادری کے کچھ خاندان موضع بھروٹ (سنگیال موہڑہ) سرن کوٹ میں آباد ہوئے۔ انہی میں ولی کامل حضرت مولوی حبیب اللہ شاہ بخاریؒ (خلیفہ حضرت ابدال زمانہ جی صاحبؒ) حضرت پیر سید مزمل شاہؒ (مصنف کے جد اعلیٰ) شامل تھے۔ حضرت مولوی حبیب اللہ شاہؒ کے صاحبزادے والا شان (سید محمد عبد اللہ شاہ آزاد کے ماموں) حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ تھے جو پندرہ سال تک مقبوضہ کشمیر اسمبلی کے ممبر رہے اور تاریخ میں ان کا یہ کارنامہ سنہری حروف میں مقبوضہ کشمیر اسمبلی کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ جب وہ پہلی بار اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو حلف نامہ میں انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر بھارت سے الحاق پر دستخط نہ کیے۔ شیخ محمد عبداللہ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا مگر آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔

اسی طرح حضرت پیر مزمل حسین شاہؒ کے پوتے سید ولی شاہ مجاہد نے ینگ مینز ایسوسی ایشن سے لیکر 1931ء کی تاریخی جدوجہد آزادی کشمیر میں گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ سید ولی شاہ مجاہد حضرت حاجی بابا سید توران شاہؒ کے حقیقی بھانجے تھے۔ ابدال زمانہ حضرت حاجی باباؒ کے خلیفہ حضرت پیر حاجی سید حسین شاہؒ بھی ننگیال موہڑہ میں آباد ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرت سید محمود شاہ کاظمی بھی تھے حضرت حاجی صاحب کے صاحبزادے مولوی سید محبوب شاہ صاحب (مدفون منڈی۔ کوٹلی) تحریک آزادی کشمیر کے بزرگ رہنما تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید اے ایم سرور مرحوم بھی تحریک آزادی کشمیر کے سرگرم لیڈر تھے۔

حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کی برادری کے کافی کنبہ جات موضع لسانہ پونچھ میں جا بسے۔ 1947ء کی جدوجہد آزادی میں ان کے خاندان سے محترم سید بہادر شاہ مرحوم، محترم سید محرم شاہ مرحوم، محترم سید گلاب شاہ مرحوم اور محترم سید غلام حیدر شاہ مرحوم 1947ء میں لسانہ سے ہجرت کر کے چکوال آئے۔ پھر وہاں سے جہلم راٹھیاں کی کشمیر کالونی میں آ کر آباد ہوئے۔ اس خاندان کے چشم و چراغ جناب ایس محمد شاہ آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی کے ممبر بنے، آزاد جموں و کشمیر کے وزیر بھی رہے جبکہ ان کے بڑے بھائی ممتاز ماہر تعلیم، محقق اور قلمکار حضرت سید یعقوب شاہ حیدری بھی بڑے صاحب کمال ہو گزرے ہیں۔ تحفظ کفو کے مسئلہ پر آپ کی گراں قدر تصنیفات سادات کرام سمیت ہر طبقہ فکر مسلمانوں کے لیے یادگار تحفہ ہیں۔

انقلاب زمانہ ہے کہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ نورانی المشہدی کاظمی کے بزرگ مشہد ایران سے چلے اور روہڑی۔ سکھر سے ہوتے ہوئے سید کسراں تحصیل گوجر خان تشریف لائے۔ موضع چادلی کرسال ہوتے ہوئے بالاکوٹ ہزارہ جا کر آباد ہوئے۔ 1860ء کے دوران بالاکوٹ سے ہجرت کر کے کشمیر گئے اور 1947ء میں جدوجہد آزادی کشمیر کے دوران وہاں سے ہجرت کر کے آزاد جموں و کشمیر اور پاکستان آئے۔ اور قرآن حکیم کے اس فرمان کے مطابق کہ انسانوں کے درمیان دن بدلتے رہتے ہیں۔ حضرت حاجی باباؒ کے خاندان اور برادری کے لوگ آزاد جموں و کشمیر اور پاکستان میں بکھر گئے۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت الحاج سید محمد شاہؒ کالو چک، آپ کے بھانجے سید ولی شاہ مجاہد اپنے بھائیوں سید نور حسین شاہ مرحوم، سید محمد انور شاہ مرحوم کے ہمراہ انوار آباد چکوال، دوسرے بھائی صوفی باصفا حضرت پیر سید حاکم علی شاہؒ مدوال چکوال

(مصنف کے والد محترم) جو قاری قرآن اور حضرت حاجی باباؒ کے داماد بھی تھے جہلم میں 1952ء میں فوت ہوئے اور لاہور موڑ جہلم سے ملحق قبرستان میں مدفون ہیں۔ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کے بڑے بھائی حضرت پیر مخدوم شاہؒ کی اولاد قصبہ افتخار آباد میں آباد ہوئی۔

نور پور سیداں کی نورانی بستی:

حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کے جانشین آپ کے صاحبزادے الحاج سید محمد عبداللہ شاہ آزاد تحریک آزادی کشمیر کے صف اوّل کے رہنما، رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کے انتہائی معتمد ساتھی، عاشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی طبیعت میں مٹھاس، بچے بوڑھے آپ کے مداح گویا کہ سدا بہار پھولوں کا گلدستہ تھے۔ اوّل سرائے عالمگیر کی گلی راجی محمد اکرم خان میں رہائش اختیار کی۔ گرمیوں میں سنی بنک کوہ مری میں رہائش پذیر ہوتے۔ ایک بار اپنے والد گرامی حضرت حاجی باباؒ کو کار میں کوہ مری لے جاتے ہوئے سوہاوہ سے گذرے تو ایک کلومیٹر آگے جی ٹی روڈ پر غیر آباد کھڈ اور جھاڑیوں سے بھرپور رقبہ پر نظر پڑی... فرمایا عبداللہ شاہ یہ جگہ مجھے پسند آئی ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ آزاد جی باباجی کہہ کر خاموش ہو گئے مگر پھر حضرت کو سنی بنک چھوڑا۔ واپس ہوئے... والد گرامی کی پسند دل میں اٹھکیلیاں لے رہی تھی۔ سرائے عالمگیر کی جائیداد و مکان فروخت کیا اور سوہاوہ میں ستر اسی کنال رقبہ خرید لیا۔

یہ رقبہ کیا خریدا آج یہاں نور پور سیداں کے نام سے جو بستی آباد ہے، یہیں ابدال زمانہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ کا مزار پرانوار واقع ہے۔ ان کے پہلو میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تحریک آزادی کشمیر کے عظیم رہنما سید محمد عبداللہ شاہ آزاد محو خواب ہیں۔ آج سے نصف صدی پیشتر یہ غیر آباد اور بنجر زمین تھی۔ دن کو بھی یہاں سے گزرتے

خوف آتا تھا مگر آج یہ بستی نورا علی نور ہے۔نور پور سیداں میں حضرت حاجی بابا کے مزار پر انور پر 10، 11 اپریل کو ہر سال عرس کی محفلیں ہوتی ہیں۔ یہاں کئی بار شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی اور جلال پور شریف کے حضرت پیر سید حسنات احمد شاہ تشریف لائے۔خطیب ملت حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ ابوالحقائق علامہ محمد عبدالغفور محدث ہزاروی، علامہ العصر سید عبدالقادر شاہ جیلانی، حضرت مولانا محمد شریف نوری، قصوری کئی بار عرس شریف کی محافل میں آتے اور عوام الناس ان کے نورانی بیانات سے مستفید ہوتے رہے۔حضرت حاجی بابا کے مزار کا سنگ بنیاد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت بابو جی پیر غلام محی الدین شاہ گیلانی نے رکھا۔

حضرت حاجی بابا کے عزیز حاجی سید محمد یعقوب شاہ مرحوم اپنے کنبہ کو لیکر چھوٹا گلہ راولاکوٹ آباد ہوئے ان کے بھتیجے حاجی سید نذیر احمد شاہ (مدار پور) بیٹے حاجی محمد شاہ مدنی، اور سید غلام احمد شاہ کا شمار تحریک آزادی کشمیر کے سرگرم کارکنان میں ہوتا ہے۔حضرت حاجی بابا کے خالہ زاد سادات برادری کے بزرگ اور محترم رہنما سید نازل شاہ اور ان کے بھتیجے حاجی مردان شاہ مرحوم، محمد عالم شاہ مرحوم، مہربان شاہ مرحوم پہلے تمام برادری کے ہمراہ گوروکل (جہلم) آئے۔ یہاں سے ان کا خمیر انہیں نیلی ذاب چھوٹا گلہ لے گیا۔حضرت حاجی بابا کے چھوٹے بھائی حضرت پیر سید سلیمان شاہ کی اولاد بھی یہیں نور پور سیداں میں آباد ہوئی۔ حاجی سید عباس علی شاہ مرحوم، حاجی سید یعقوب شاہ مرحوم، اور ان کے دیگر بھائی نور پور سیداں میں حضرت حاجی بابا کے دربار کے باہر محو خواب ہیں۔ تمام زندگی حضرت کے ہمراہ رہے۔ یہ روداد ہے سلطان المشائخ حضرت حاجی بابا اور ان کے خاندان برادری کی۔ ذرا عمیق گہرائی سے غور کریں کہ جدوجہد آزادی کشمیر میں اسی برادری کے درجنوں افراد نے جو کارہائے نمایاں سرانجام

دیئے۔ یہ تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔حق تو یہ ہے کہ تحریک آزادی کے محرک حاجی مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء ہیں اور اس تحریک کی تکمیل سید محمد عبداللہ شاہ آزاد تک آتی ہے، جن کی برادری کا ہر فرد آج بھی آزادی کشمیر کیلئے

بیتاب ہے۔

سردار محمد عبدالقیوم خان کو مجاہد اوّل ہم نے بنایا:

وقت گزرا۔ جدوجہد آزادی کشمیر کیلئے کچھ حضرات نے اس امید پر، اس آس پر قربانیاں دیں کہ وہ حد متارکہ کے اس پار اپنے اپنے ان عزیزوں کو دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ ایک طویل عرصہ بیت گیا۔ ہزاروں عزیز متارکہ کے اس پار دُنیا سے رخصت ہو گئے ،وریہی حال اس جانب بھی ہوا، ایک دوسرے کا منہ تک نہ دیکھ سکے طویل عرصہ اضطراب کی کیفیت۔ راستہ ایک ہی نظر آتا تھا کہ کشمیر کی آزادی۔ مگر اس کیلئے کون ہوسکتا ہے یہ سوال آخر، نسانی کمزوریاں غلط اعتماد لازم وملزوم ہیں۔ گفتگو میں چاشنی، تقریروں میں تحریک آزادی کے نام پر مبالغہ آمیزی، کارکنوں نے نجات دہندہ سمجھ کر یہی جو دنیا سے ان کی نظر گئیں کہ یہی تحریک آزادی کشمیر کی ناؤ کنارے لگانے والے ہیں۔ آئیں دیکھیں کہ اس آس پر محترم سردار صاحب کیلئے مجاہد اوّل بنانے کیلئے، حضرت سید عبداللہ شاہ آزاد نے کتنے پاپڑ بیلے، کس قدر جدوجہد کی.. الحفیظ والاماں۔ یہ قصۂ ماضی افسوس ناک مرحلوں آزمائشوں کی یاد دلاتا ہے اور ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ 1956ء میں ضلع پونچھ میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی ضلعی صدارت کا مسئلہ تھا۔ جماعت کے سینئر زعماء راجہ غلام سرور خان، کرنل عدالت خان، پیر فرید شاہ گیلانی، سید حسن شاہ گردیزی وغیرہ کسی طرح راضی نہ تھے کہ سردار عبدالقیوم خان کو صدر بنائیں مگر رئیس الاحرار چودھری غلام عباس کی توقع تھی کہ سردار قیوم صاحب جماعت کو وقت دیں

گئے۔ کو ومری میں کارکنوں کا اجلاس ہو گیا۔ سید عبداللہ شاہ آزاد صاحب کے عزیزوں کے علاوہ دھیر کوٹ کے حضرات صفدر قریشی صاحب نے اپنے کارکنوں کو جمع کر کے سردار صاحب کو ضلع پونچھ کا صدر بنایا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا سید محمد عبداللہ شاہ آزاد اور ان کے عزیزوں نے قائد ملت چوہدری غلام عباس کے قائم مقام کے طور پر سردار قیوم صاحب کو اعتماد دیا۔ بس پھر کیا تھا ایک ہی نعرہ، ایک ہی ورد:

مجاہد اوّل کا اعلان... کشمیر بنے گا پاکستان

عظمت ملت کا نشان... سردار عبدالقیوم خان

سردار صاحب کوٹلی سے چکسواری آئے یہ علاقہ جاٹ برادری کا مرکز ہے۔

جلسہ عام شروع ہوا۔ تلاوت و نعت کے بعد جونہی سردار صاحب سٹیج پر تشریف لائے تقریر کے آغاز پر ہی میرپور کے معروف وکیل شیر میرپور چودھری لعل خان ایڈووکیٹ اپنے حامیوں کے ہمراہ جلسہ گاہ میں آئے اور نعرے لگاتے ہوئے دوسری طرف سے نکل گئے، پھر واپس آئے اور نعرے لگاتے دوسری طرف نکل گئے ... کافی دیر یہ عمل جاری رہا۔ پولیس خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی۔ کاغانی سادات کو پھر جوش پیدا نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں تھا، چنانچہ ایس محمد شاہ، سید سرفراز حسین راحل، محمد شاہ مسلم، ہیڈ ماسٹر غلام احمد شاہ، سردار صاحب کے آگے لائن بنا کر کھڑے ہو گئے۔ مرحوم مولوی اسد اللہ شاہ (جھمب) نے قنات کا بانس اکھاڑا، سید غلام رسول شاہ انقلابی نے ایک پولیس والے سے لاٹھی چھین لی۔ مرحوم خواجہ عبدالصمد وانی، جی ایم مفتی اور مصنف نے اینٹوں اور پتھروں سے کام لیا اس طرح تقریباً دو گھنٹہ کی لڑائی کے بعد جلسہ ہوا اور نہایت پرسکون انداز میں اختتام پذیر ہوا۔

راولپنڈی فیض آباد میں ایک اجتماع میں ہوا۔ وہاں سے گوجر خان جلسہ عام کا

پروگرام تھا۔ ہمارا قافلہ گوجر خان پہنچا۔ استقبال کے بعد سردار صاحب پنڈال میں سٹیج پر تشریف لائے۔ اس دوران راجہ قیصر نامی مشہور غنڈہ اپنے آدمیوں کے ہمراہ جلسہ گاہ میں آیا۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔۔۔ یہ لوگ جلسہ گاہ میں ہلہ بول کر داخل ہوئے تو سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کے عزیزوں سید محمد اعظم شاہ، حاجی طٰسین شاہ صاحب اور سید محمد سرور شاہ نے ان کی ایسی خبر لی جس کی انہیں قطعاً توقع نہ تھی۔ حاجی طٰسین شاہ خود بھی شدید زخمی ہوئے، اس دھینگا مشتی میں:

مجاہد اوّل زندہ باد

عظمت ملت کا نشان سردار عبدالقیوم خان

کے پرجوش نعرے پنڈال میں سماں باندھ رہے تھے۔ یہ چند واقعات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر تاریخ کی نذر اس لئے کئے ہیں تاکہ تاریخ میں ہم پھر یہ الزام کہ سردار صاحب کو مجاہد اوّل ہم نے بنایا، ثابت ہو سکے اور یہ ایک زندہ تابندہ باب تاریخ کا حصہ ہے کہ یہ کوئی الزام نہیں یہ حقیقت ہے اور جب یہ حقیقت پسندی ہوئی تو پھر بقول حضرت عبدالرب نشتر:

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھیے
کہ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم کانفرنس کے چراغوں میں روشنی ختم ہو گئی۔ اس طویل انتخابی مہم میں اپنے اپنے مقام پر مسلم کانفرنس کے عظیم کارکنوں نے نہایت جانفشانی اور دلجمعی سے کام کیا جو تاریخ کا حصہ ہے مگر پورے آزاد کشمیر اور پاکستان میں جناب سردار صاحب کے ہمراہ رہ کر ایسی مہم کو جواں مردی سے سر کرنے والے کارکن صرف کاظمی سادات تھے۔

ہماری نظروں میں تحریکِ آزادی کیوں مشکوک ہو گئی؟

سردار صاحب کو مجاہد اوّل بنانے کا جرم ہم نے انجانے میں اس اُمید پر کیا کہ ہمارے دل و دماغ میں اسی حد تک کہ اس بار ہماری جنم بھومیوں کا نقشہ آج تک محو نہیں ہو سکا۔ ہمارا گمان تھا کہ جن لوگوں کو ہم نے دیکھا محترم سردار صاحب ان سب سے بہتر ہیں۔ ان کا مسئلہ اور مقاصد حصولِ اقتدار نہیں جبکہ اقتدار ایک سیڑھی ہو سکتی ہے مقاصد کے حصول کیلئے۔ چنانچہ جب نتیجہ نکلا تو تحریک آزادی کشمیر ہماری نظروں میں مشکوک ہو گئی صاف نظر آیا کہ تحریک آزادی کشمیر کا نام محض اپنی ذات کو پروجیکٹ کرنے کیلئے لیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر آج اگر کوئی کسی جگہ کسی بھی انداز میں تحریک آزادی کشمیر کا نام لے تو کارکن نکھیوں سے ایک دوسرے کو گھورتے ہیں کہ کیا تحریک آزادی کشمیر موجود ہے؟

میرے ایک کزن سید محمد غوث ہزاروی مرحوم بہت عرصہ قبل اس صورتحال کو بھانپ کر مجھے خبردار کرتے رہے کہ یہ سب کچھ اقتدار کے حصول کی ڈرامہ بازیاں ہیں۔ کیوں اپنے بچوں کا مستقبل تباہ کرتے ہو؟ وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ آزاد جموں وکشمیر میں ایک بار پھر انتخابی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ سردار عتیق احمد خان نے بھمبر سے چوہدری انوار الحق، کاکڑہ چکسواری سے چوہدری عبدالمجید، پلندری سے سردار محمد حسین کے مقابلے میں اپنے امیدوار دستبردار کروائے تاکہ پیپلز پارٹی جیت جائے۔ یہ ایک المناک لمبی داستان ہے کہ وہ ہار جائیں تو پاکستان کی قومی جماعتوں کو غیر ملکی قرار دیتے ہیں اور اپنے ذاتی مقاصد اور ہر حال میں خود یا اپنے صاحبزادے کو کامیاب کرانے کیلئے چھاتی پر پیپلز پارٹی کا بڑا بیج نمایاں طور پر چسپاں کر کے مظفر آباد جلسہ عام میں جا بیٹھتے ہیں۔ اس ڈرامہ کا ڈراپ سین اس انتخاب میں ہو گیا۔ جو نیلہ بٹ سے انہوں نے ویران

سوپہ دہ اور گرویزی خاندان کے کارناموں کو اپنے کھاتے میں ڈال کر مسلسل اقتدار کے مزے لوٹے۔ آل انڈیا کانگریس نے نیشنل ازم کے ذریعہ شروعات کی۔ شیخ محمد عبداللہ جال میں پھنسے اور ان شروعات کو مکمل تقویت دی اور آخر میں سردار عتیق احمد خان نے اپنا کام کر دکھایا، ایک تاریخ ساز جماعت کا تیاپانچہ کر دیا۔

مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم کرنے والے کردار:

1930ء کو جموں میں توہینِ قرآن مجید کے ردعمل میں 1931ء کی تاریخی جدوجہد میں ریاست کے مسلمانوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف متحدہ جدوجہد کی جس کے نتیجہ میں چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کی مؤثر قیادت ملی اور ایک صدی کی غلامی کی زنجیریں کٹیں۔ ریاست کے عوام کو پریس اور سیاسی پلیٹ فارم کی آزادی ملی۔ اکتوبر 1932ء میں ریاست کی اولین تاریخ ساز جماعت مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ 1934ء کو ریاست کی پہلی قانون ساز اسمبلی (پرجا سبھا) کے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے 21/19 نشستیں جیت لیں۔ آل انڈیا کانگریس کے بڑے بوڑھوں نے خیال کیا کہ ریاست میں نیشنل ازم کا جال پھینکا جائے اور شیخ محمد عبداللہ اس جال میں پھنس گئے۔ 10 جون 1939 کو مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ چھ ماہ کے اندر شیخ محمد عبداللہ آل انڈیا کانگریس کا ذم چھلہ بن گئے۔ چوہدری غلام عباس نے 1942 کو مسلم کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ کی مگر شیخ محمد عبداللہ اور چوہدری صاحب کے راستے یہاں سے جدا ہو گئے۔ شیخ صاحب نے اپنا راستہ نیشنل ازم اختیار کرتے ہوئے آل انڈیا کانگریس کی حمایت کی۔ کانگریس چونکہ ریاست کی متحدہ مسلم قومیت پر شب خون مار چکی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل ازم کے خاکہ میں خوب رنگ بھرا اور یوں ریاست جموں و کشمیر کے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس طرح ریاست کی تاریخ میں ریاست

کی ولین تاریخ ساز جماعت مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم کرنے والے کردار بنیادی طور آل انڈیا کانگریس کے لیڈران اور ان کو تقویت دینے والے ریاست کے کردار شیخ محمد عبداللہ تھے یہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے تیسرے اور آخری کردار

(جنہوں نے اس کے چراغوں سے روشنی مکمل طور پر ختم کردی)

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

مسلم کانفرنس کے نام پر اقتدار کے مزے لوٹنے والے موروثی سیاست کو جنم دینے والے، مسلم کانفرنس کے عظیم ایثار پیشہ، مخلص کارکنوں کی بجائے اپنے، اپنے مخصوص فراد پر بار، بار نوازشات کرنے والے، تحریک آزادی کشمیر کی وراثت کے جھوٹے دعویدار جھونپڑوں سے نکل کر 1985ء میں بھوت بنگلوں کے مالک بننے والے، اربوں روپے کی جائدادیں حاصل کرنے والے، کروڑوں روپوں کی ایئر کنڈیشنڈ کاروں، لینڈ کروزرز اور پراڈو گاڑیوں کے مالک بننے والے دو خاندانوں کے شہزادے جن کے ذہن میں برصغیر ہندوستان کے مہاراجوں کا نقشہ ہے۔ تاریخ میں ریاست کی تاریخ ساز جماعت مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم کرنے والے یہ سردار عتیق احمد خان ہیں۔ تاریخ میں یہ تیسرا کردار ہیں، مگر انہیں اپنے کیے کا ذرا بھر احساس نہیں کہ:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

سردار صاحب کے اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان عظیم کارکنوں کو پے در پے چرکوں پر چرکے لگائے۔ نہ جانے انہوں نے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کو کس جرم کی

سزا دی اور اس کا انہیں کیا فائدہ ہوا جب وہ آزاد جموں وکشمیر کے وزیر اعظم تھے۔ ان کی کابینہ میں بتیس فلیگ ہولڈرز تھے۔ آج ان کے پاس دو منتخب ممبران اسمبلی ہیں اس طرح وہ دائیں یا بائیں سیاست کی بند گلی میں چلے گئے۔ تاہم آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا جس طرح ان ہر دو صاحبان نے تیا پانچہ کیا یہ تاریخ کا المناک باب ہے۔

سردار عتیق احمد خان کا آبائی گھر:

1970ء کے انتخابات سے قبل جولی چیڑ (بعد میں غازی آباد) میں محترم سردار عبدالقیوم خان کی رہائش گاہ عموی طور پر گاؤں کے کچے مکان میں تھی۔ یہ کوئی طعنہ نہیں نصف صدی پیشتر کے حالات ہیں۔ علاقہ بھر کے مکینوں کے مکانات ایسے ہی ہوتے تھے۔ بعض مکانات کا فن تعمیر ان کے کاریگروں کے ہاتھوں کی صفائی کا غماض ہوتا تھا۔ بہر حال 1970ء کے انتخابات کے بعد نہ صرف غازی آباد کا یہ مکان وسیع اور پختہ بنیادوں پر تعمیر ہوا بلکہ سٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی میں بقول مرحوم سردار عبدالغفار خان تین چار کنال پر ایک ایسا بھوت بنگلہ تعمیر ہوا جسکی مالیت کروڑوں روپے ہے۔ یہ کیا نہیں انتہائی غور کا مقام ہے جب محترم مجاہد اول 1970ء کی انتخابی مہم پر نکلے تو ایک ٹیکسی کار پر کوہ مری پہنچے۔

ذرا غور کیجئے یہ کسی یونین کونسل کے ممبر کے انتخاب کا معاملہ نہ تھا کہ فقط اکیلے ایک ٹیکسی کار پر آتے، تاہم امر واقع یہ تھا کہ اس کے بغیر محترم مجاہد اوّل کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ صدارتی امیدوار کیلئے =/1000 روپیہ فیس مقرر تھی (یہ رقم ضمانت کہلاتی ہے) سردار صاحب کو یہ بطور صدارتی امیدوار جمع کروانا تھی لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنے پیسے سے جمع کروا سکتے چنانچہ یہ رقم شیخ منظر مسعود مرحوم نے جمع کرائی اور آج کی ریل پیل ..... گویا من وسلویٰ ہے۔ سارے آزاد جموں وکشمیر اور پشاور سے لیکر

کراچی تک پاکستان میں تقسیم مہاجرین سے رابطہ کا مسئلہ تھا آج ذرا تنہائی میں ہی بیٹھ کر سردار عتیق احمد خان ماضی میں تاریخ کے اس باب پر غور کریں۔ مگر انہیں اس سے کیا غرض کہ ان کی ضرورت آزاد جموں وکشمیر میں، بچے والد محترم کے اقتدار کی چھتری تلے ہاتھ پاؤں مارنے کا خوب موقعہ میسر آیا۔ بیچارے چوہدری سردار آف سیالکوٹ سے لیکر بیرون ملک سے جہاد کے نام پر اور اقتدار کے دوران جی بھر کر جو چاہا کیا۔ اب ان کے پاس، انکی اولاد کے پاس کیا کچھ ہے؟ یہ کوئی سربستہ راز نہیں۔ کارکنوں کو انہوں نے انگلیوں پر نچایا اور سب سے بڑھ کر تاریخ کا المناک باب کہ ان کے اس طرز عمل سے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ حال کر دیا

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

تاریخ میں ان کے نام یہ سیاہ باب ہمیشہ کیلئے رقم ہو گیا۔

حضرت حاجی بابا کے خاندان کی قربانیوں کا تسلسل:

جدوجہد آزادی کشمیر میں گذشتہ پون صدی کے دوران جن عظیم لوگوں نے لازوال قربانیاں دیں ان کا ذکر مصنف اپنی تصنیف چراغوں میں روشنی نہ رہی میں مختصرا تاریخ کی نذر کیا۔ سدہنتی کے سردار سبز علی خان اور سردار ملی خان کا کھال اتروانا۔ جموں کے محلہ ست گڑھ کے مستری عبدالکریم کا اپنی شہید بچیوں کے خون سے دیوار پر پاکستان زندہ باد لکھنا۔ پونچھ لنجر سیداں کے سید خادم حسین شاہ گردیزی کا اپنا بازو کٹواتے ہوئے ہندوستان مردہ باد، پاکستان زندہ باد کا نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا۔ سراہی کے راجہ بڈھا خان کا آنکھیں نکلوانا تاریخ کے سنہری کارنامے ہیں۔ یقیناً ان کا انہیں اللہ پاک عطاء کریں گے تاریخ ان پر ناز کرتی ہے۔

مجموعی طور پر حضرت بابا حاجی سید نوران شاہؒ اور ان کے عزیزوں کی جدوجہد

آزادی کشمیر میں جو قربانیاں ہیں ہماری تاریخ میں یہ آب زر سے لکھی جائیں گی۔ یقیناً یہ قربانیاں اپنی مثال آپ ہیں۔ مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء کا 1923ء میں لوگوں کے حقوق دلانے کیلئے کامیاب جدوجہد کرنا۔ سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کا راجوری سے پیدل سفر کر کے تراڑکھل پلندری آنا اور اپنے کندھوں پر اسلحہ لیکر واپس جانا اور جدوجہد آزادی کشمیر میں ہراول دستہ کا کردار ادا کرنا۔ پیر سید جماعت علی شاہ کا مقبوضہ کشمیر اسمبلی کے ممبر کا حلف اٹھاتے وقت بھارت سے الحاق کے حلف نامہ پر دستخط سے برملا انکار کرنا۔ مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ کے ماموں نمبردار حیدر شاہؒ کا 1963ء میں علانیہ اپنے مکان پر پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرانا اور شہادت کا جام نوش کرنا۔ حضرت عبداللہ شاہ آزاد کے چچا پیر سید سلیمان شاہؒ کا 1947ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کرنے کی بجائے اپنی اولاد اور عزیزوں کو راستے میں خدا حافظ کہہ کر جہاد میں شریک ہونے کیلئے واپس جانا اور کفار کے ہاتھوں شہید ہونا۔ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے عروج زوال کی داستان:

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے عروج وزوال کی داستان تاریخ کا ایک لمناک باب ہے۔ یہ پون صدی کے تلخ وترش واقعات اور پونی صدی کی تاریخ ہیں۔ آج آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی آبیاری کرنے والے عظیم راہبر ہم میں موجود نہیں۔ رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس مرحوم ومغفور کی قیادت میں جاری جدوجہد آزادی کے دوران ایسے ایسے روح فرسا واقعات رونما ہوئے جن سے دل دہل جاتے تھے۔ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس بڑے طوفان سے نبرد آزما رہی۔ اپنی مقاصد اور نظریہ الحاق پاکستان کیلئے پرآشوب دور میں سبز ہلالی پرچم بلند رکھا۔ 1937ء میں متحدہ مسلم قومیت کے خلاف آل انڈیا کانگریس نے نیشنل ازم کا جو زہر پھیلایا اس کے خلاف رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس اور ان کے

ساتھیوں کی جدوجہد ہماری قومی تاریخ کا حصہ ہے۔ پاکستان میں آمریت کے دور میں کڑی آزمائشوں کے دوران بھی مسلم کانفرنس کا چراغ روشن رہا تا آنکہ 1985ء کے بعد ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ ساز جماعت آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس اپنے عروج سے پستی کی جانب لوٹ گئی۔ تاریخ کا ایک روشن دور المناک حادثے کا شکار ہو گیا یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہوا۔ یہ بھی ایک عبرت ناک کہانی ہے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد یہ ایک اور المناک حادثہ ہے۔

محترم مجاہد اوّل کی زندگی کے دو پہلو:

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ الیکشن مہم کے دوران محترم سردار صاحب کارکنوں کا حوصلہ بڑھاتے۔ نہایت شفقت سے پیش آتے۔ ہر کام میں کارکنوں سے مشورہ کرتے۔ ان کارکنوں کی شب و روز محنت اور انتھک جدوجہد رنگ لائی سردار صاحب نے مضبوط ترین حریفوں کو شکست دے کر آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے۔ مگر مسلم کانفرنس کے وہ ایثار پیشہ مخلص کارکن یہ کر ششدرہ گئے جب وہ محترم سردار صاحب کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر آزاد کشمیر کی کرسی صدارت پر لائے تو سردار صاحب کے اردگرد ڈاکٹر اسلام الدین نیاز جیسے انجانے چہرے اور ماضی میں مسلم کانفرنس کے دشمن ان کے شریک اقتدار نظر آئے۔ اور سردار صاحب نے محنت اور انتھک جدوجہد کرنے والے ساتھیوں سے یکسر نظریں چرا لیں۔ یہ ان کی سیاسی زندگی کا دوسرا پہلو تھا۔ یہیں سے ریاست کی تاریخ ساز تنظیم انحطاط پذیر ہوئی۔ ہماری تاریخ کا افسوسناک باب ہے۔

بے جا شفقت پدری کربلا برپا کر دیتی ہے!

1985ء کے بعد محترم سردار محمد عبدالقیوم خان کے صاحبزادے سردار عتیق احمد

خان نے اپنے والد محترم کے اقتدار کی چھتری کے نیچے میدان سیاست میں قدم کیا رکھا اور آتے ہی آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس پر اپنا غیر ضروری تسلط جمانے کیلئے اس عظیم جماعت کے دستور اساسی کو اپنی خواہشات کے تابع کرنے کیلئے ترامیم شروع کر دیں۔ جماعت کے تمام سنیئر رہنماء اور کارکنوں کی کردار کشی شروع کر دی۔ سردار عتیق احمد کا مزاج اس شہزادے کی طرح ہے جو پودے کو پانی دینے کی بجائے ایک دم چھلانگ لگا کر درخت کی چوٹی پر چڑھنا چاہتا ہو۔ سردار عتیق احمد خان نے مسلم کانفرنس کو چند ایسے خوشامدیوں اور جی حضوریوں کے سپرد کر دیا جنہوں نے ایک منصوبہ بندی کے تحت جماعتی کارکنوں کے درمیان گروپ بندی اور نفرت کی ایک خلیج پیدا کی۔ کارکن حیران ہو کر 1970ء سے پہلے کے مجاہدوں کو تلاش کرتے رہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ شفقت پدری کربلا برپا کر دیتی ہے۔ سردار صاحب نے چپ سادھ لی۔ سردار صاحب کے ایک مخلص ارادتمند، ممتاز دانشور اور کالم نویس جناب ہارون الرشید کے روزنامہ دنیا کے شمارہ 9 جون 2014ء میں "پرانی محفلیں یاد آتی ہیں"۔ کے عنوان سے ازراہ تاسف جو ریمارکس دیئے وہ قابل غور ہیں۔ "ہارون رشید لکھتے ہیں کہ:

"آزاد کشمیر نے سردار عبدالقیوم خان سے بہتر سیاستدان پیدا نہیں کیا۔ اگرچہ بالآخر اولاد نے عاجز کر دیا۔ سردار عتیق وزیر اعظم ہوئے تو بچگانہ حرکتیں کرتے" یہ ان کے ایک نہایت ہمدرد کے ریمارکس ہیں۔ اس طرح بچگانہ حرکتوں سے تحریک آزادی کشمیر کی عظیم جماعت کے چراغوں سے روشنی کیا ختم کی۔ خود بھی بند گلی میں چھپے گئے۔ دوسری طرف سردار سکندر حیات خان وزیر مال سے وزیر اعظم اور آزاد کشمیر کے صدر بنے مگر اس اقتدار کے عرصہ میں انہوں نے بھی نہلے پہ دہلے کا کام کیا۔ سردار عبدالقیوم صاحب کو موروثی سیاست کا طعنہ دیتے رہے اور خود اس پر عمل پیرا رہے۔ سردار عتیق احمد خان کی طرح انہوں

نے بھی اپنے گروپ کے طور پر چندہ خور پال رکھے تھے۔ دوران اقتدار تمام تر نوازشات انہی پہ ہوتی رہیں۔ بار بار اپنے منظور نظر لوگوں کو کشمیر لبریشن سیل، اور آزاد کشمیر کے دیگر اعلیٰ عہدوں پر رکھا جنھوں نے دونوں ہاتھ خوب رنگے۔ کارکنوں کے درمیان حد فاصل رکھی، اگر غلطی سے کوئی کارکن جماعتی مفاد میں بات کرتا تو عام محفلوں میں گلا کرتے کہ فلاں کارکن پروٹوکول نہیں رکھتا۔ انہوں نے اور سردار عتیق احمد خان تحریک آزادی کشمیر کی وراثت کے دعووں کی سرد جنگ لڑی۔ یہ دونوں صاحبان خود کو برصغیر کی ریاستوں کے مہاراجے سمجھتے تھے۔ ان دونوں کی تحریک، آزادی کشمیر پر وراثت کی سرد جنگ نے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا حشر نشر کر دیا۔ یہ تاریخ کا ایک المیہ ہے۔'' حیران کن بات ہے کہ سردار عتیق احمد خان اب بھی مسلم کانفرنس کا نام لینے سے نہیں شرماتے۔

مصنف کا تعارف اور خاندانی پس منظر

والدین کا تجویز کردہ نام آغا حسین تخلص مغموم کاظمی سادات زمانے کے تھپیڑوں سے المعروف، والد کا نام قاری سید ولایت شاہؒ (وفات 1952 مدفون نزد لاہور موڑ، جہلم) مصنف نے ناظرہ قرآن مجید اپنے والد محترم سے پڑھا۔ پہلا پارہ ترجمہ کے ساتھ تحریک آزادیٔ کشمیر کے محرک اور ممتاز عالم دین اپنے حقیقی ماموں حضرت مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء سے پڑھا۔ 1956ء مولوی صاحبؒ واپس کشمیر چلے گئے تو ماموں سید محمد عبداللہ شاہ آزادؔ نے مصنف کو انجمن فیض الاسلام (متصل راجہ بازار) راولپنڈی میں داخل کروایا جہاں سے مصنف نے 1958ء میں میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ (اس دور میں میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہوتا تھا)

اسی دوران تحریک الحاق پاکستان کے علمبردار اور آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس

کے بانی، رئیس الاحرار چوہدری غلام عباسؒ نے اپنی مشہور زمانہ تحریک "کے ایل ایم" (کشمیر لبریشن موومنٹ) کا آغاز کیا۔ قائد محترم کی خواہش اور اپنے محسن و مربی حضرت قبلہ سید محمد عبداللہ شاہ آزاد رحمہ اللہ کی تحریک پر مصنف اس تحریک کا میڈیا انچارج مقرر ہوا۔

مصنف کا تعلق ایک دینی، علمی گھرانہ سے تھا۔ اور جدِ اعلیٰ سیاسی طور پر مصنف کے خاندان نے جدوجہد آزادیٔ کشمیر میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ مولوی سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاء علیہ الرحمہ نے 1923ء میں ریاست کے مسلمانوں کو حقوق دلوانے کیلئے کامیاب اور جرأت مندانہ جدوجہد کی۔ جب ریاست میں حقوق کی بات کرنا شجرِ ممنوعہ تھا۔

اسی طرح سید محمد عبداللہ شاہ آزادؒ نے 1932ء کو قیام مسلم کانفرنس سے لیکر 1979ء تک اپنی وفات تک جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے یہ تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ مصنف کے تایا سید ولی شاہ مجاہد تحریک آزادیٔ کشمیر کے بانی رہنما تھے۔ جنہوں نے رئیس الاحرار چوہدری غلام عباسؒ کی قائم کردہ "ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن" میں 1927ء سے لیکر 1970ء تک گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ان عظیم رہنماؤں کی نگرانی میں مصنف کی تربیت ہوئی۔ 1958ء میں مصنف کا رئیس الاحرارؒ سے تعارف ہوا تو مصنف دوسرے تیسرے روز 4 میوروڈ قائد محترم سے ملنے چلا جاتا۔ اس دوران قائد محترمؒ کی شفقت سے بہت کچھ سیکھا۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیٔ خیال کہاں؟

انجمن فیض الاسلام سے نکل کر بائیں جانب مڑیں تو چند قدم آگے لیاقت روڈ پر تحریک آزادیٔ کشمیر کے عظیم مجاہد دانشور اور ادیب جناب اے۔ آر۔ ساغر کی رہائش تھی۔ ان

سے ملنے کا روز موقع ملتا۔ ساغر صاحب جدوجہد آزادی کشمیر میں بیتے دنوں کا ذکر چھیڑتے تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ حقیقت میں ساغر صاحب 1931ء کی تحریک کے ہیرو اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تحریک ختم نبوت کی جان تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ریمارکس تھے:

ساغر سے کہا میں نے کہ اے رونق محفل
تحریر تیری شستہ ہے، تقریر شگفتہ

ساغر صاحب کی بیان کردہ یادیں اب تک ذہن میں محفوظ ہیں۔ مصنف نے 1963 میں تحریک آزادی کشمیر پر جو مسودہ لکھا اس کا پیش لفظ ساغر صاحب نے لکھا۔ یہ ان کی مہربانی تھی وہ بھی مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ (شورش جبالی) اور سید محمد عبد اللہ شاہ آزاد کی وجہ سے تھی، جو ان کے ساتھی تھے۔ ورنہ وہ ان باتوں سے لاتعلق تھے۔ میں اپنی زندگی کی سنگین غلطی کر بیٹھا ایک دو بزرگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنا مسودہ محترم سردار عبدالقیوم خان کو دکھایا تو انہوں نے یہ مسودہ راجہ الطاف حسین کیانی کے سپرد کیا کہ شائع کردا دیں۔ مگر چونکہ اس مسودہ میں محلہ مست گڑھ جموں کے مستری عبدالکریم سے لیکر بھمبر کے راجہ بڈھا خان، کوٹلی کے غازی سخی دیر خان، پونچھ کے سردار سبز علی خان، سردار ملی خان، ہلز سیداں کے سید خادم حسین گردیزی شہید، کفل گڑھ کے مولانا محمد عبداللہ کے کارناموں کا ذکر تھا 1923ء سے مولوی محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؔ کے تاریخ میں گمشدہ باب کا تذکرہ تھا۔ 1931ء میں گلینسی کمیشن کی آمد کے پس منظر کی نقاب کشائی کی گئی تھی۔ نازک مزاج شاہوں کو یہ کب گوارا تھا کہ تاریخ میں ان کے بغیر کسی اور کا ذکر آئے۔ میرا یہ مسودہ ہزار کوششوں کے باوجود بھی واپس نہ ہوا اور راجہ محمد الطاف کیانی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدا انہیں غریق رحمت کرے۔

جناب ساغر صاحب نے کہا: پسرور جاؤ، قاضی خورشید عالم جموں میں جدوجہد آزادی کشمیر کے عینی شاہد ہیں، ان سے ملو۔ چنانچہ میں پہلے سیالکوٹ اور وہاں سے پسرور گیا شہر پسرور سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر پنڈ مرزا ہے، جہاں قاضی خورشید عالم صاحب کی رہائش گاہ ہے، ان سے ملاقات ہوئی تحریک آزادی کشمیر کے معمر راہنما نے کانوں میں آلہ سماعت لگا رکھا تھا، مجھ سے کہنے لگے اپنا تعارف کرواؤ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ مجھے اے آر ساغر صاحب نے بھیجا ہے، فرمانے لگے ساغر کو کیا سوجھی وہ تو خود ایک چلتی پھرتی تاریخ ہیں، بہر حال انھوں نے بھی بعض واقعات بیان کیے۔ جو میں نے لوحِ دل پر قلمبند کر لیے۔ یہ جولائی 1963ء کا واقعہ ہے۔

اس طرح 1963ء سے 1969ء تک پانچ، چھ سالوں میں مصنف نے جدوجہد آزادی کشمیر کے واقعات قلمبند کر کے سارے مواد کو ایک مسودے کی شکل میں تیار کر کے جناب اے آر ساغر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انھوں نے یہ مسودہ ایک ماہ تک اپنے پاس رکھا اور پیش لفظ لکھ کر میرے حوالے کر دیا جو میرے لیے یقیناً بڑے اعزاز کی بات تھی۔ بعد میں میں نے یہ مسودہ آزاد جموں وکشمیر کے سابق سیکرٹری قانون راجہ محمد اکرم خان، (مرحوم) کو دکھایا تو وہ حیران رہ گئے کہ جموں سے گلگت تک تحریک آزادی کشمیر کی مسلح جدوجہد پر بے لاگ تحریر ہے۔ بہر حال وہ مسودہ ضائع ہو گیا اور باوجود کوشش بسیار کے بازیاب نہ ہو سکا۔ اب مصنف نے "پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی" کے عنوان سے یہ صفحات تاریخ کی نذر کیے ہیں۔ مسلم کانفرنس کے چراغوں سے روشنی ختم ہو گئی۔ یہ روشنی کس نے اور کیسے ختم کی؟ اس کی تفصیل پر مشتمل صفحات میری زندگی کا سرمایہ ہیں کہ تحریک آزادی کشمیر کی بانی، لاکھوں شہداء کی وارث جماعت کے چراغوں سے روشنی نکل جانا ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ کا المیہ اور سیاہ باب ہے۔ تاہم اس مختصر

تاریخ میں نصف صدی پیشتر کی یادوں کا احاطہ کیا گیا ہے اور وہ بھی اس امانت میں کہ مصنف گلے کے کینسر کے موذی مرض کا شکار ہیں۔ ایسی حالت میں قلم اٹھانا اور وہ بھی ایک ایسے عنوان سے جو جدوجہد آزادی کشمیر میں سمیٹنا ہو نہ وسائل ورنہ صحت اجازت دے۔ یہ کام اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے، تاہم ایک حقیری کوشش تاریخ کیلئے اپنی بے بضاعتی کے باوجود اس خیال سے کی ہے کہ شائد کچھ حقائق تاریخ کے صفحات پر آسکیں۔

مصنف نے جدوجہد آزادیٔ کشمیر کیلئے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جو کچھ کیا بحمدہ تعالی اس پر دل مطمئن ہے۔ مصنف کا جدوجہد آزادی کشمیر کیلئے سفر 1958ء سے شروع ہوتا ہے، جب مصنف 5 جون 1958ء کو حضرت سید محمد عبداللہ شاہ آزاد کی ہدایت پر کے ایل ایم (کشمیر لبریشن مومنٹ) میں شریک ہوا اور پہلی بار رئیس الاحرارؒ کے ہمراہ انہی کی کار میں کوہ مری سے راولپنڈی آیا۔ یہ دن مصنف کی زندگی کا یادگار دن تھا۔ مصنف نے کے یل ایم (کشمیر لبریشن مومنٹ) کے دوران بطور میڈیا انچارج کام کیا تب سے 1970ء تک شب و روز کام کیا اس کی تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے۔

مصنف نے امریکہ اور برطانیہ میں بھارت کے خلاف مظاہروں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

1991ء میں نیویارک میں بھارتی مظالم کے خلاف مظاہرہ میں شرکت کی۔ 1996ء میں 2001ء میں واشنگٹن میں بھارت کے خلاف بھرپور مظاہرہ میں شرکت کی۔ بھارتی سفارت خانہ کے باہر برطانیہ میں سابق گورنر جگ موہن سنگھ کی آمد پر مظاہرہ ہوا۔ مصنف اس میں بھی شریک تھا۔ 2008ء کو مصنف حد متارکہ کے اس پار اپنے مادر وطن کے دورہ پر گیا۔ دربار عالیہ گوہر بار وانگت لار شریف پر حاضری دی۔ زیب آستانہ عالیہ پیر طریقت حضرت میاں بشیر احمد نظامی لاروی مدظلہ سے ملاقات کی۔ راجوری کے دورہ کے دوران شاہدرہ شریف میں دربار عالیہ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ پر حاضری دی۔ وہیں متبوضہ

کشمیر اسمبلی کے سابق اسپیکر مرزا رشید احمد صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ایک مختصر مگر شاندار استقبالیہ دعوت کا اہتمام کیا۔ مینڈھر اور سرن کوٹ کے دورہ کے دوران علاقہ کے لوگوں نے ملاقاتیں کیں معروف کشمیری رہنماؤں سید نذیر حسین شاہ مرحوم اور حاجی بشیر حسین شاہ مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی۔

مصنف کی زندگی کا یہ سفر اور درد وغم نصف صدی پر محیط ہے۔ روداد غم اس لئے کہ جن عظیم ہستیوں نے ریاست جموں وکشمیر میں جدوجہد آزادی کشمیر کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جن کی نگرانی میں مصنف نے شعور کی آنکھ کھولی۔ جن کے زیر سایہ مصنف کی تربیت ہوئی۔ اس تربیت کے نتیجہ میں مصنف نے 1995ء میں اپنی پہلی تصنیف "امام الانبیاءؐ" کے نام سے تالیف کی۔ حضرت علامتہ العصر پیر سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاؒ، سید محمد عبداللہ شاہ آزاد، سید ولی شاہ مجاہد.... میرے یہ محسن ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مصنف کو بیماریوں نے آگھیرا نہ صحت برقرار رہی نہ ہی میرے وہ وسائل ہیں بیماری کی حالت میں، عصابی کمزوری اس حالت میں نصف صدی کی یہ روداد لکھنا کار دارد والی بات ہے۔ اس میں کمزوریاں ہوں گی، ممکن ہے بعض واقعات کی تکرار بھی ہو بہر حال کمی بیشی کا احتمال ہے۔ امید ہے قارئین درگذر فرمائیں گے۔ جن احباب کی کسی وجہ سے دل آزاری ہوئی ہو ان سے بھی معذرت!

سید آغا حسین مغموم

نور پور سیداں، تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم

اکتوبر 2014ء

تاریخِ کشمیر کا المیہ

مصنف نے "چراغوں میں روشنی نہ رہی" کے عنوان سے جو کچھ تاریخ کی نذر کیا، شدید بیماری کے عالم میں لکھا اور یہ ہماری تاریخِ کشمیر کے اس المیہ کا شاخسانہ ہے۔ واللہ میں ذہنی وفکری طور پر اس المیہ سے اس قدر دکھی ہوں کہ اس کا شاید کما حقہٗ اظہار نہ کرسکوں۔ سوائے اس کے کہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس، تحریک آزادی کشمیر کی اولین تاریخ ساز تنظیم، لاکھوں شہداء کی وارث۔ تحریک الحاق پاکستان کی نقیب، پون صدی سے آمروں کا مقابلہ کرتے ہوئے پہاڑوں سے ٹکراتے، جموں کشمیر کے عوام کا تشخص بحال کرکے بامِ عروج پر پہنچی تھی۔ اس کے ہزاروں کارکن سے پنا گھر خیال کرتے تھے۔ اس میں نظریئے، عقیدے، نصب العین اور اس نصب العین پر عمل پیرا رہنے کے لیے کارکنوں کی ایک ڈسپلن کے ساتھ کوششوں نے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس پاکستان کے ہر مکتبِ فکر کے دل میں عزت واحترام پیدا کررکھا تھا۔ افسوس! برصغیر کی ریاستوں کے حکمرانوں کا ذہن رکھنے والوں نے اس کے چراغوں سے روشنی ختم کردی اور حیرت کی بات ہے کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہونے کی بجائے اتراتے پھرتے ہیں جبکہ بے شمار بے لوث کارکن اسی صدمہ کی وجہ سے کئی موذی بیماریوں کا شکار ہوکر عالم بقاء کو سدھار گئے ہیں۔

مصنف نے جن حالات میں اس موضوع پر قلم اٹھایا وہ ناقابل بیان تھی۔ دل میں تھا کہ یہ تاریخی المیہ آنیوالی نسلوں کے لیے محفوظ کردوں مگر اپنی حالت سے مایوس تھا، بھلا ہو برادر عزیز سید ضیاء الحسنین نسیمؔ کا کہ انہوں نے یہ ذمہ داری بصدق دل قبول کی اور اسے بطریق احسن پایہ تکمیل تک پہنچا کر میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔ میں اس کے

لیے شکریے کی بجائے برادر عزیز کے حوصلے اور ہمت کی داد دیتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں۔ مصنف نے جس بوجھل دل کے ساتھ یہ تاریخی واقعات وحالات قلمبند کیے ہیں اور تحریک الحاق پاکستان کی نقیب اور داعی جماعت، سوادِ اعظم آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے عروج وزوال کی دلخراش داستان اور اس کے چراغوں سے روشنی ختم کرنیوالے کرداروں کا ذرہ بھر عار محسوس نہ کرنا، تاریخ کشمیر کے ساتھ ایک سنگین مذاق، ہماری ریاستی تاریخ اور لاکھوں شہداء سے مذاق اور ایک المیہ ہے بخدا اُس نے مصنف کے دل ودماغ پر گہرا اثر ڈالا۔

مصنف اس کتاب کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے سلسلہ میں مایوس تھا، اس لیے کہ ایک قیمتی مسودہ جس کا پیش لفظ تحریک آزادی کشمیر کے بانی رہنما جناب اے آر ساغر نے بڑی محبت سے لکھا تھ، یار لوگوں نے غائب کر دیا۔ موجودہ مسودے کی تحریر وتکمیل اور اس کی طباعت میں برادرِ عزیز مذکور نے جس دلچسپی کا اظہار کیا اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، میں ان کی صحت، اقبال کے لیے دُعا گو ہوں۔

(سید آغا حسین مغموم)

قائداعظم محمد علی جناح کا پاکستان کیوں ٹوٹا؟

افسوس! بانی پاکستان، بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کا پاکستان دسمبر 1971ء کو دولخت ہو گیا۔ یہ درحقیقت ہماری ملی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ ہم نے اس سانحہ پر ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرایا حالانکہ اس کی وجوہات بڑی واضح تھیں۔ مختصر یہ کہ اس سانحہ کے رونما ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پڑوسی اور ازلی دشمن بھارت نے شروع دن سے ہمارے ملی وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا چنانچہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے سازشیں شروع کر دی گئی تھیں۔ جبکہ بدقسمتی سے ہمارے کارپردازوں نے ان سازشوں کا نوٹس لینے، ان کا تدارک کرنے کی بجائے ایک طویل عرصہ تک چپ سادھے رکھی تاآنکہ اس کا نتیجہ مشرقی بازو کے کٹ گرنے کی صورت میں رونما ہوا۔

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو نوابزادہ لیاقت علی خان اس سازش کا پہلا شکار تھے۔ ان کی شہادت کے بعد وہ جاگیردار اور وڈیرے ایک منصوبہ بندی کے تحت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جنھوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ انھیں مسلم لیگ کے نظریئے، عقیدے اور نصب العین سے قطعاً کوئی غرض نہ تھی فقط مسلم لیگ کی چھتری تلے اپنی جاگیروں کا تحفظ و توسیع چاہتے تھے اور وہ اسی کام میں دل و جان سے معروف رہے اس سلسلہ میں نوابزادہ سید حسن محمود ایک استثنیٰ کی حیثیت رکھتے تھے کہ ان کے سوا کسی نے مسلم لیگ کی تنظیم پر توجہ نہیں دی۔ اس صورت حال سے، یوں ہو کر ہی تحریک پاکستان کے عظیم رہنما اور قائد اعظمؒ کے مخلص ساتھی نواب عبدالرب نشترؒ نے کہا تھا کہ:

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

چنانچہ 1963ء میں پلٹن میدان ڈھاکہ میں قومی پرچم کی بے حرمتی پر کوئی احتجاج نہ ہوا، تو رئیس الاحرار چودھری غلام عباسؒ نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو اس واقعے کی طرف متوجہ کرنے کے لیے باقاعدہ خط لکھا مگر مقام حیرت ہے کہ اس خط کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تک پہنچنے میں چار سال کا عرصہ لگ گیا، اور جب تک پانی سر سے گزر چکا تھا۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے حقیقی بھائی اور تحریک پاکستان کے راہنما سردار بہادر خان نے لیاقت باغ میں ایک جلسہ کے دوران اسی حکومتی تساہل بلکہ مجرمانہ غفلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ:

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا؟

لیکن، اس نقار خانے میں بے چارے طوطی کی صدا کون سنتا؟ جنرل ایوب خان پاکستان مسلم لیگ کی کوکھ سے کنونشن مسلم لیگ برآمد کر چکے تھے اور پرانے جاگیردار اور طالع آزما، وڈیرے دھڑا دھڑ اس لیگ میں شامل ہو رہے تھے۔ پاکستان کی بانی سیاسی جماعت مسلم لیگ کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ اس موقع پر مسلم لیگ کے ایک راہنما سید احمد سعید کرمانی نے کونسل مسلم لیگ بنائی اور نظریاتی کارکنوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش ضرور کی مگر مسلم لیگ ایک ایسی سہاگن بن چکی تھی جس کی کوکھ سے ہر سال، دو سال بعد ایک نئی مسلم لیگ برآمد ہوتی رہی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا دیکھیے کہ 1969ء کو سربراہ مسلم لیگ خان عبدالقیوم خان سیالکوٹ کے دورہ پر تھے۔ سردار محمد عبدالقیوم خان بھی انتخابی دورہ پر سیالکوٹ میں موجود تھے۔ اس موقع پر خواجہ محمد اقبال بٹ نے دونوں زعما کو کھانے پر مدعو کیا۔ عشائیے کے دوران ایڈیٹر ہفت روزہ "جہد"

سیالکوٹ، شیخ گلزار احمد فدا نے خان عبدالقیوم خان صاحب سے گزارش کی کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن کا توڑ پیدا کریں تو خان اعظم نے اپنے ساتھ مشرقی پاکستان سے آئے ہوئے سابق وزیر عبدالصبور خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ان کا مطلب تھا کہ یہ ہے توڑ شیخ مجیب الرحمن کا۔ شیخ گلزار احمد فدا نے کہا جناب عالی! (یہ دراصل ان کا تکیہ کلام تھا)۔۔ اگر پاکستان کی خالق جماعت کے سربراہ کی یہ سوچ ہے تو پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے۔

پاکستان میں جنرل محمد ایوب خان نے اقتدار جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے سپرد کیا ور رخصت ہو گئے۔ مشرقی پاکستان میں بھارت شیخ مجیب الرحمن کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھا چکا تھا۔ مکتی باہنی (نجات دہندہ فوج) کے نام سے پاکستان مخالف عسکری ونگ ملک دشمن کارروائیوں میں مصروف تھا۔ پورے کا پورا مشرقی پاکستان منفی نیشنلزم کی لپیٹ میں تھا جبکہ ادھر (مغربی پاکستان میں) جناب ذوالفقار علی بھٹو سوشلزم کا نعرہ لے کر آندھی کی طرح چھائے ہوئے تھے چنانچہ جنرل محمد یحییٰ خان نے انتخابات کا اعلان کیا تو مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن کا نیشنلزم تھا اور مغربی پاکستان میں جناب بھٹو کا سوشلزم، نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کی عوامی لیگ نے کلین سویپ کرتے ہوئے مکمل کامیابی حاصل کی تو مغربی پاکستان میں بھٹو صاحب کے کھڑے کیے گئے "کھمبے" تک جیت گئے۔ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ جسے جاگیرداروں اور وڈیروں نے اپنے مذموم مفادات کی کا تنکا تنکا بکھیر رکھا تھا، مشرقی پاکستان میں تو ایک سیٹ تک بھی نہ جیت سکی تاہم مغربی پاکستان میں دو چار سیٹیں نکالنے میں کامیاب ہوئی جو نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس طرح اقتدار کی جنگ جو شیخ مجیب اور جناب بھٹو کے درمیان شروع ہوئی نے دیگر عوامل کے ساتھ مل کر پاکستان کو دولخت کر دیا۔ مشرقی

پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور پاکستان کے 90000 ہزار فوجی اور سویلین بھارت کے جنگی قیدی بن گئے۔

سانحہ مشرقی پاکستان بلاشبہ پاکستان کی قومی تاریخ کا بدترین سانحہ اور تاریخ کا شرمناک ترین باب تھا، لیکن اس سے سبق سیکھنے کی بجائے پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے سربراہ خان عبدالقیوم خان، بھٹو کی پیپلز پارٹی کی حکومت میں وزیر داخلہ بن بیٹھے جبکہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے برطانیہ میں پاکستانی سفارت قبول کر لی۔ بیچاری مسلم لیگ چیختی چلاتی رہی، مگر اس کی داستان چمن میں بکھرتی چلی گئی۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والی تنظیموں نے ڈیڑھ اینٹ سے بھی کم حجم کے باوجود اپنا پرچم "بلند" رکھا۔ قیوم مسلم لیگ، جناح مسلم لیگ، چٹھہ مسلم لیگ، نون لیگ، قاف لیگ .... کس، کس کا نام لیا جائے۔ بعض مفاد پرست جاگیردار اور وڈیرے تو مفادات کے تحفظ کے لیے باقاعدہ طور پر پی پی کے گھاٹ اُتر گئے اور وزارتوں، سفارتوں کے مزے لوٹتے رہے۔

مقام غور ہے کہ مسلم لیگ آج پھر دوراہے پہ کھڑی ہے۔ کچھ طالع آزما جو مختلف سول و فوجی ادوار میں مسلم لیگ کے نام پر گلچھرے اڑاتے رہے ہیں، مختلف مسلم لیگوں کے اتحاد کا تاثر دے رہے ہیں۔ پاکستان کا درد رکھنے والے ممتاز دانشور جناب مجید نظامی مسلم لیگوں کے اتحاد کی حسرت لیے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یہ بیل اس لیے بھی منڈھے چڑھنا مشکل ہے کہ مفاد پرست عناصر محض اپنے ذاتی مقاصد اور محدود وژن کے ساتھ روبکار ہیں انہیں کسی نظریئے، عقیدے یا قومی نصب العین سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ محض کسی کو بنانے، کسی کو گرانے کے چکروں میں ہیں اور اگر یہ سلسلہ قائم رہتا ہے تو پھر محدود سوچ رکھنے والوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

تاریخ کا المیہ

(داستان ہجر پر مشتمل دو مکتوب)

برصغیر کی تقسیم کا وقت قریب آیا تو پنجاب میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھی سکھوں کے جتھے اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے غنڈے مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف ہو گئے۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے لیے مستقبل کی راہ متعین کرنے کے لیے 19 جولائی 1947ء کو ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد منظور کر لی تو ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی طرف سے مسلح جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔

عارضی اقتدار کی خاطر شیخ محمد عبداللہ نے اپنا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال کر مقبوضہ کشمیر پر بھارتی تسلط کی راہ ہموار کی۔ نومبر 1947ء میں جموں میں اڑھائی لاکھ نہتے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ نوزائیدہ مملکت خداداد نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ دوسری بار 1965ء میں جموں و کشمیر کے مسلمانوں پر ایک بار پھر بھارتی غاصبوں کی جانب سے قیامت صغریٰ برپا کی گئی تو ایک بار پھر ریاست سے ہزاروں خاندان مجبور ہو کر، اپنا گھر بار اور مال و جائیداد چھوڑ کر پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔ پاکستان نے انھیں مختلف اضلاع میں آباد کیا۔ سیالکوٹ، گوجرانوالہ، پشاور سے کراچی تک ہر ضلع میں مہاجر بکھر گئے۔ یہ انقلاب زمانہ تھا۔ گزشتہ ستر سالوں میں مہاجرین جموں و کشمیر اور حد متارکہ کے

اُس پاران کے عزیز واقارب پر کیا گزری یہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ ہم بذیل سطور میں سری نگر سے اپنے ایک عزیز کے نام ایک ممتاز شخصیت کی جانب سے لکھے گئے دو مکتوب نقل کر رہے ہیں جن کی سطر سطر سے ہجرت کا غم اور اپنوں کے بچھڑ جانے کا دکھ ٹپک رہا ہے۔ مارچ 1967ء کو ریاست جموں و کشمیر کے معروف روحانی پیشوا حضرت میاں نظام الدین لاروی ؒ نے اپنے ایک عزیز اور معروف شاعر مولوی مہر الدین قمر راجوروی (ساکن نواں شہر، ایبٹ آباد) کے نام یہ خطوط لکھے۔ یہ دونوں خط جہاں ادبی حیثیت سے ایک شاہکار ہیں وہاں حد متارکہ کے دونوں جانب ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی دلی کیفیات کے عکاس ہیں۔ فاضل مکتوب نگار 1972ء میں مقبوضہ کشمیر میں انتقال فرما گئے جبکہ مولوی مہر الدین قمر سمیت ان کے ہزاروں عقیدت مند داغ جدائی دلوں میں لیے تہہ خاک سو چکے ہیں۔

بذیل خطوط ان لاکھوں کشمیری مسلمانوں کی داستان ہیں جو حد متارکہ کے دونوں اطراف میں آخری وقت تک ایک دوسرے کا دیدار نہ کر سکے۔ آزاد جموں و کشمیر میں طویل عرصے تک اقتدار کے مزے لینے والے حکمران جنھیں کشمیر جنت نظیر کی تاریخ اور اس کے جغرافیے کا علم نہیں۔ وہ اس احساس دل خراش کا درد کیسے محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ اقتدار کو تحریک آزادی کشمیر سمجھتے ہیں۔

ابدال زمانہ، فقر و غنیٰ کے بادشاہ حضرت کواجہ عبداللہ لاروی ؒ المعروف بابا جی صاحب کے خلیفۂ اعظم غوث زماں حضرت حاجی بابا سید نوران شاہؒ مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کے بعد سارا عرصہ انتہائی بے چین رہے اور اکثر حد متارکہ کے اُس پار رخ کرتے اور پکارتے...... ''شاہ مرشد و یکھاں وانگت لار مڑ کے''

مکتوب گرامی (۱)

یکم مارچ 1947ء

وانگت، لار کشمیر

بسوئے قمر راجوروی۔ از وانگت، بابا نگری

پیارے قمر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

قمر اور چکور کے درمیان ہمیشہ دور کے سلام، دور کے پیغام اور دور کے فغاں، دل کے ارمان قدیم رسم جہاں ہے۔ کل مجھے ا بوڑھا آدمی ملا۔ صورت جانی پہچانی نظر آئی۔ میں نے پوچھا بھائی نجی ۔ ے ہر پ کو یہاں دیکھا تھا۔

اس نے جواباً کہا:

کیوں بھائی تم کو وہ عا ق پورہ کی کہانیاں بھول گئیں؟ جب تمہارا ایک دوسرا ساتھی جو عاشق پورہ کا ذیلدار تھا، اور کیسر کے پھولوں کا بیوپار کیا کرتا تھا اور بات بات پر تم کو ستایا کرتا تھا۔ کبھی رُلایا کرتا تھا اور کبھی تمہارے پاؤں میں گدگدیاں کیا کرتا تھا۔ کبھی ایک روپیہ پیش کر کے کہا کرتا تھا.. لو جی یہ انیس کم بیس روپے آپ کا نذرانہ یا شکرانہ ہے۔

میں سوچنے لگا یا اللہ! یہ بوڑھا کوئی نجومی ہے یا صاحب کشف ہے۔ یہ تو عمر رفتہ کی کہانیاں سنا رہا ہے۔ میں نے بے اختیار پوچھا۔ وہ کیسر کے پھولوں کا بیوپاری عاشق پورہ کا ذیلدر کہاں ہے؟" اس نے کہا کہ جب ذیلدارہ سسٹم ختم ہو گیا، کیسر کے پھول بھی نذرِ خزاں ہو گئے۔ چمن ویران ہو گیا تو وہ بلبل کی طرح دلبرداشتہ ہو کر دو بارہ کی صورت میں کہنے لگا۔ کل پرسوں پھر ملوں گا اور بھاگ گیا۔ اتنا سا کہہ کر وہ بوڑھا خاموش ہو گیا، پھر کچھ سوچنے لگا اور بولا:

...اے اللہ! اس کی تھگی اور اس کا دغا بھی آج کل سچائی کے دعوے داروں سے بدرجہا بہتر و افضل ہے۔ آخر بے چارہ بوڑھا اپنے بچھڑے ساتھی کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگا اور پکار پکار کر کہنے لگا: اے خالق کون و مکاں میرا تیرے ساتھ صحیح وعدہ ہے کہ میری جان کی جان، میرے دوست کی یاد ہے۔ میں مر کر اور حشر نشر تک بھی اپنے دیرینہ ساتھی کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ لوک گیت گنگنانے لگا:

سرکھول کے دھو چھوڑیا

جس دیلے یاد پویں جھٹ بہہ کے رو چھوڑیا!

میں نے کہا کہ مرحبا!..... یہی دوستی کا یہی تقاضا ہے۔ کہنے لگا کیا کریں بھائی! کسی نے سچ کہا ہے:

اب کیا کریں جو دل کو لگائیں خزاں سے ہم
رنگینیاں بہار کی لائیں کہاں سے ہم

کہاں بخارا شریف... کہاں بخارزدہ نحیف .... کہاں قمر کہاں چکور!

ل: لان دیے کجھ ہور آئے، اجکل گل کجھ ہور دی ہور ہو گئی
لکھے نقش لکھ میری محبتاں توں، گوی عمر دی ساں اُٹا چور ہو گئی
اُلٹے عشق دے کم نظام جانی، کا ہکی چین تے اہلِ پشور ہو گئی

پرسان حال چھوٹوں بڑوں کو دعا و سلام، فوٹو ارسال ہے۔ عنقریب دوسرا خط اور فوٹو بھیج دوں گا۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، لکھنا چھوڑ دیا ہے، ہاتھوں میں بڑھاپے کی وجہ سے لرزا ہے لیکن داستان ہجر لکھتے وقت قلم بھی لرزتا ہے، دل بھی لرزتا ہے، آئندہ پھر کوشش کروں گا۔

والسلام نظام الدین لاروی

مکتوب گرامی (۲)

پیارے قمر... چکور کا سلام قبول ہو، السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کئی سالوں سے تلاش کر رہا تھا۔کل اچانک قلم سے ملاقات ہو گئی۔ علیک سلیک کے بعد میں نے کہا، اے قلم! کئی سالوں سے میں تجھے تلاش کر رہا تھا، تو کہاں گم ہو گیا تھا؟ قلم نے کہا میاں! گم تو آپ ہو گئے تھے۔ میرے گم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو تا۔ خالق سے لے کر مخلوق تک، نیک سے لے کر برے تک، حاکم سے لے کر محکوم تک، عاشق سے لے کر معشوق تک، طالب سے لے کر مطلوب تک، پیر سے لے کر مرید تک ، امیر سے لے کر غریب تک، مرد سے لے کر عورت تک، بچے سے لے کر بوڑھے تک، عالم سے لے کر جاہل تک، قرض خواہ سے لے کر مقروض تک، پائی سے لے کر کروڑوں تک، رائی سے لے کر پہاڑوں تک، زمین سے لیکر آسمانوں تک، ازل سے لے کر ابد تک، عرش سے لیکر فرش تک . . . پتہ نہیں کہاں، کہاں تک یہ تک تک کا سلسلہ کہیں ختم بھی ہو سکتا ہے۔ قلم روتے روتے ہنس گیا اور کہنے لگا خوب کیا تم نے یاد کرا دیا۔ تمھارے جیسے نا آشنا لوگوں سے میں ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہوں۔ یوں بھی کبھی کبھار رستہ پہ سیاہی لگا کر بھکاری کی طرح بادل نخواستہ بیگار تو کاٹ دیا کرتا ہوں لیکن محبت اور دلچسپی سے نامحرم دل انسان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھتا ہوں۔ کہو کیا لکھواتے ہو، تضیع اوقات سے کیا فائدہ؟

میں نے کہا میرا ایک پیارا ادبی دوست مجھ سے بچھڑ گیا ہوا ہے۔ ایک بوڑھے سے پتہ چلا کہ وہ کہیں بہت دور، قدموں سے دور لیکن دل سے نزدیک ہے۔ اسے دعا سلام اور خط پیام لکھوانا چاہتا ہوں۔

قلم نے کہا صاحب! معاف فرمانا، فراموشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اس بیچارے کی جانب سے میں نے آپ کو کئی بار خودنوشتہ پیغام پہنچائے، میں نے لکھا اور اس نے لکھوایا ہے، مگر آپ ہیں کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر اس نے تنگ آ کر نہایت ہی خمیدہ اور رنجیدہ دل کے ساتھ مجھ سے طعن بھی لکھوا یا کہ:

؎ وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو تو نے فراموش کر دیا

بات تو دو ہی فقرے تھی مگر اس کی تفسیر بہت لمبی، چوڑی تھی لیکن آپ متاثر نہ ہوئے۔ اب وہ روٹھ گیا ہے۔ تمھیں اشارتاً یاد کرنے سے تو باز نہیں رہ سکتا لیکن بظاہر روٹھا ہوا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی جدائی کی داستان لکھنے سے میں قاصر ہوں۔ آپ کیا جانیں میری سرگزشت کہانی ایسی ہے جس کو آپ جیسا درد آشنا آدمی بھی سن کر متحمل نہیں ہو سکے گا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ کچھ تو سنا دو۔ قلم نے کہا اچھا! ایک مکمل کتاب کے ایک ورق کی ایک سطر کا ایک حرف سنو ۔۔ اور دل سے سنو کہ:

''قصہ ہجراں شکایت میکنم''

(میں جدائی کے قصہ کی شکایت کرتا ہوں)

... میں جنگل میں، ایک خوش سایہ و خوش شکل، خوش ذائقہ ثمردار درخت کی ایک شاخ تھی، جس پر سرخ اور سنہری رنگ پرندے چہچہایا کرتے تھے۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں کبھی ظلِ غمام، کبھی بارش کبھی خوش ہوا، کبھی شبنم کے موتی میرے پتوں کے سنہری زیور بن کر چمکتے تھے۔ اچانک ایک کاتب آیا اور نجانے اُسے میری یہ خوشی اور آرام دیکھ کر کیوں رشک ہوا۔ اس نے مجھے اپنے پیارے شجر کے سینے سے کاٹ کر جدا کر دیا۔ قلم نے اپنی جدائی کا بڑے المناک پیرائے میں بیان کیا اور کہا کہ:

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

سینہ خواہم شرح شرح از فراق — تا بگویم شرح درد اشتیاق

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگار وصل خویش

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفت خوش حالاں و بدحالاں شدم

ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون کس نہ جست اسرار من

اتنا کہہ کر قلم خاموش ہو گیا۔ میں نے منت، سماجت کی۔ سناؤ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگا... اوہو بڑے بے ترس معلوم ہوتے ہو۔ کیا سن سکو گے؟ ایک دو فقرے اور سن لو۔ پھر کاتب نے میرے سر پر آرا چلایا۔ میرے دل کو چیر کر ٹکڑے کر دیا۔ پھر میرے سینے پر آلام کے آرے چلائے۔ پھر قلمدان کے جیل خانوں میں مجھے قید کر دیا اور سزا کے طور پر میرے منہ پر سیاہی لگائی۔ پھر ایک خوبصورت، صاف و شفاف کاغذ لے کر مجھے کہا... لو چند منٹ اس پر دوڑ، کود کر دل بہلائی کر لو۔ یہ تم سے پھر ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گا۔ کیوں جدا ہو جائیگا؟ جواب ملا... اس لیے کہ تمھاری سرشت میں یومِ ازل سے ہی جدائی ہے۔ اس لیے تم جس کاغذ سے انگ لگاؤ گی، وہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ یہ دلفگار لفظ جدائی کا سن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور میری زبان پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے کہ جدائی کی کہاوتیں کبھی نہ لکھوں گی۔ اگر اصل کہاوت لکھوں تو کائنات میں تزلزل آ جائے گا۔ میں جل جاؤں گی۔ کاتب بھی جل جائے گا بلکہ عالم اجساد کا ذرہ ذرہ جل جائے گا۔

میں نے پوچھا کہ کتابِ ربانی قرآن شریف بھی تو نے ہی لکھا ہے...؟ کہا نہیں اس کا کاتب ربُّ العالمین ہے۔ وہ لوحِ محفوظ سے پہلے ہی لکھا گیا تھا۔ پھر کلام سے کتابت کی شکل بنی تھی۔ میں نے پوچھا اس قلمِ قدرت اور لوحِ قدیم کا اور تمھارا

ہم کچھ واسطہ ہے؟ جواب میں کہا کہ وہ عالم غیب کی کہانی ہے۔ اور میں عالم سیارہ کی پیداوار ہوں۔ میں نے پوچھا اس کا نشان، اس جہان میں بھی کوئی ہے؟ قلم نے جواب دیا۔ ۔ہاں، اولیا اللہ کی زبان میں اس کی سیاہی کی چاشنی ہے۔ میں نے پھر پوچھا، اس قلم کی زبان کے بھی دو ٹکڑے ہوئے تھے؟ کہا ہاں۔۔۔۔ جب جدائی اور حرف فراق لکھا گیا تو جدائی کی دہشت سے اس کی زبان بھی پھٹ گئی تھی۔ وہ اصل ہے میں فرع ہوں۔ میں نے کہا۔۔ اُس کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے اور تو کبھی کبھی فواحش اور مہمل کتابت کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے۔ کہا اُس کا کاتب بھی اعلیٰ وارفع ہے اور میرا کوئی کاتب بھی کبھی کبھی ایسے ہی جرم کا مرتکب ہو جایا کرتا ہے۔ اُس کا کاتب لازوال و لامثال ہے۔ میرا کاتب فانی ہے اور۔۔۔ یہ میری مختصری کہانی ہے۔ فتدبروو تفکرو یا اولی الابصار!

س: سوز پتنگ دے وچ ویکھو، شمع اپنی جان جلائی ہوئی ہے
نہ ہی شمع تے نہ ہی پتنگ رہیا، دوہاں وانس دی نکو تب اہی ہوئی ہے
اُس دے سوز وچ اِس نے جان ساڑی، سویا اوہ، اس اگ لگائی ہوئی ہے
اصل ایہہ قانون نظام اُلٹا، لکھے گیا ایہہ بڑی خطا ئی ہوئی ہے

پرسان حال کو سلام و دعا، عزیزوں دوستوں کو سلام

نظام الدین لاروی

22 مارچ 1967ء

****

"تاریخِ میرپور کا ایک اہم باب"

تالیف: پروفیسر عبدالواحد قریشی (سابق پرنسپل، گورنمنٹ کالج، میرپور)

. . . . اپنی اس گرانقدر تاریخی کتاب میں جو انہوں نے برٹش انڈین لائبریری، لندن میں موجود برطانوی ہند کے دور کی دستاویزات سے عکسبند کر کے زرِ کثیر خرچ کرتے ہوئے عامۃ الناس کے لیے ایک دور کی تاریخ اور اس کے دستاویزی ریکارڈ کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ عامۃ الناس تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ ہم زیرِ نظر تحریر میں پروفیسر موصوف کی اسی کتاب سے چیدہ چیدہ واقعات کو ان کی کامل صحت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ پروفیسر صاحب موصوف کے بقول انہوں نے چونکہ انگریزی زبان سے مسودہ کو اُردو میں منتقل کیا ہے تو بعض شخصیات ور مقامات کے نام لکھنے میں ان سے سہو ہو جانے کا امکان بہر حال موجود تھا اس لیے انہوں نے راجوری سے تعلق رکھنے والے کسی صاحب کی خدمات بھی مستعار لیں لیکن اس کے باوجود حتمی مسودے میں پروف کی حد تک بعض شخصیات اور مقامات کے نام غلط ترجمہ ہو گئے۔

بر سبیلِ تذکرہ محترم پروفیسر صاحب کی کتاب کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد، اس کا مطالعہ کرنے سے امور متذکرہ صدر سے متعلق راقم نے اپنے احساسات کو ایک مکتوب کے ذریعے پروفیسر صاحب تک پہنچایا جس کے بعد ان سے بالمشافہ ملاقات کی سبیل بھی نکلی۔ اس موقع پر انہوں نے راقم سے جناب غلام حسین چوہان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں چوہان صاحب نے بھی اسی سلسلہ میں ایک تفصیلی خط لکھ رکھا ہے (بعد میں انہوں نے اس خط کو اپنی ایک تصنیف موسومہ بہ "یادِ ایامِ گزشتہ" میں نقل بھی فرمایا) چنانچہ راقم ہر دو یعنی پروفیسر صاحب جناب عبدالواحد قریشی اور جناب غلام حسین چوہان (ریٹائرڈ ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان) کے شکریے کے ساتھ ہر دو مکتوب اور زیرِ نظر وضاحت ہدیۂ قارئین کر رہا ہے۔

(i) اقتباس از صفحہ نمبر 332:

D.O Letter from Mr. C. Latimer

C.S.I, C.I E Resident In Kashmir

No. F-12C/32 Dated: 29/3/1932

میں حکومت ہندوستان کی اطلاع کے لیے مسٹر Lawther آئی جی پی کی 21 مارچ 1932ء کی رپورٹ منسلک کرتا ہوں۔ کالون (Colvin) نے مجھے بتایا ہے کہ لاورنے اپنے خط کے پیراگراف نمبر 9 میں جو اضافی پولیس اسامیوں کی سفارشات کی ہیں ان کے بارے میں احکامات جاری کیے جا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی لادر سے تصدیق لے لی ہے کہ نقصانات کے اندازے جو لگائے گئے تھے وہ تازہ ترین نہیں تھے، لہٰذا ان کی مزید تحقیق ہوگی۔

تحصیل راجوری ضلع ریاسی کے فسادات اور نقصانات کی تفصیل

یہ رپورٹ مسٹر B.Lawther آئی جی پولیس جموں و کشمیر نے مورخہ 21 مارچ 1932ء کو مرتب کی۔

ا۔ ڈاکے:

18 جنوری 1932ء راجوری پولیس اسٹیشن کے حلقہ میں 50 دیہاتوں میں ڈاکے پڑے۔ 300 گھر لوٹ لیے گئے۔ ان میں سے 70 جلا دیے گئے۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، لیکن 43 ہندوؤں جن کی اکثریت چماروں پر مشتمل ہے، کا مذہب وقتی طور پر زبردستی بدلا گیا۔ ان کیسز کی ایک فہرست منسلک ہے۔

یہ بغاوت درہال اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں سے شروع ہوئی۔ راجوری پولیس اسٹیشن کے شمال میں رہنے والے لوگ زیادہ تر کشمیری مسلمان ہیں جو ہر موسم گرما میں کشمیر چلے جاتے ہیں۔ یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ سیاسی احتجاج جو درہال میں فرقہ وارانہ فسادات میں بدل گیا، کشمیر سے یہاں آیا۔ اس بغاوت کا نتیجہ تھنہ بازار

میں شدید قسم کی لوٹ مار کا باعث بنا اور دوسرے چھوٹے گاؤں بھی اس کی زد میں آ گئے۔

15 جنوری 1932ء کو ایک کشمیری مولوی جس کا نام معلوم نہ ہو سکا، درہال میں ترغیب دینے آ گیا اور اُسی شام پہلی سیاسی ڈکیتی عمل میں آئی۔ تین یوم بعد مزید مکانات لوٹے اور جلائے گئے۔ درہال میں ایک شخص سید حبیب شاہ ودد حاجی نور بخش نامی رہتا ہے۔ یہ سید لاہور پنجاب بھاگ گیا ہے اور ابھی تک بھگوڑا ہے۔ اس کے باپ نے اُسے عاق کر دیا ہے۔ جس کے کوئی سیاسی مقاصد نہیں ہیں۔ اس نے حال ہی میں ''کشمیر'' نامی اخبار میں مضامین لکھے ہیں۔ یہ شخص ر جوری پولیس اسٹیشن کے شمالی علاقہ میں گڑبڑ پھیلانے کا ذمہ دار ہے۔ اس کی گرفتاری کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھیوں کا ذکر اس رپورٹ کے آخر میں آئے گا۔

اسی پولیس اسٹیشن کے شمالی حلقہ میں ڈاکوؤں کے بڑے بڑے جتھے سیری کی جانب سے آئے۔ یہ لوگ سوہانہ، سونی اور کچھ دوسرے گاؤں جو راجوری اور سیری کے درمیان واقع ہیں کو لوٹنے اور جلانے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ اُن فسادات کا ایک حصہ تھے جن کا آغاز کوٹلی سوہبن سے ہوا۔ تازہ ترین بغاوت چنگس کے قریب واقع ہوئی۔ اس کا باعث دو ڈاکو لیڈر ہیں جن کا تعلق سیبل کوٹ اور دوسرے دیہاتوں سے ہے یہ لوگ ابھی تک بھگوڑے ہیں۔

۲۔ تھنہ بازار:

سب سے زیادہ نقصان جو اس تھانے کی حدود میں ہوا وہ تھنہ بازار اور تھنہ گاؤں کی لوٹ مار تھی۔ یہ لوٹ مار 20 جنوری 1932ء کو ہوئی۔ میں نے اپنا کیمپ 18 مارچ سے اسی بازار اور اسی گاؤں میں لگا رکھا ہے۔ یہاں بازار اور گاؤں میں

36 گھر لوٹے گئے۔ ان میں سے 8 جلا دیئے گئے۔ سات شکایت کنندگان مسلمان ہیں۔ ایک بڑا مندر بھی لوٹا گیا اور اس کی مورتیاں توڑ دی گئیں۔ یہ بھی شکایت ملی کہ ہندوؤں نے بعد میں مسلمانوں کی کچھ دکانیں لوٹ لیں اور اسی رات قرآن مجید کی ایک کاپی جلا دی گئی، لیکن یہ سچ نہیں ہے اس لیے کہ وہ گروہ جس نے تھمہ بازار میں لوٹ مار کی دربال کی لوٹ مار کے بعد یہاں آیا۔ یہ گروہ درہ سملی کی وادی سے آیا جونہی یہ لوگ قصبے کے قریب پہنچے کچھ مسلمانوں نے دو تین گھنٹے پہلے وارننگ دے دی جو دڑہ سملی کے علاقہ میں آباد تھے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ خاصہ وقت پہلے اطلاع مل جانے کے باوجود لوگ زیورات یا نقدی وغیرہ گھروں میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ البتہ ان لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دکان یا گھروں کے اندر کا سامان ساتھ لے جا سکیں۔ میں نے بہت سے ٹرنک اور باکس دیکھے جو بدوں سامان پڑے تھے۔

آگ نے جو نقصان پہنچایا وہ واقعی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن میں یہ تعین کرنے کو تیار نہیں کہ بہت سا معقول روپیہ لوٹنے والوں سے برآمد ہوا ہے۔ مثال کے طور پر مندر کے ''باوا'' کا بیان ہے کہ اس کے پاس 50 ہزار کی رقم تھی جبکہ ہمیں پتہ ہے کہ اس نے تھمہ کے نمبردار کے ہاں پناہ لے رکھی تھی جبکہ اس کے پاس صرف 15 عدد چاندی کے زیورات تھے۔ یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ 50 ہزار کی رقم مندر میں چھوڑ کر آیا ہو اور چاندی کے معمولی زیورات ہمراہ لایا ہو۔ ایک ہندو سود خور لالہ موہن لعل بیان کرتا ہے کہ اس کے پاس 28500 روپے نوٹوں کی شکل میں تھے جنہیں وہ پنجاب بینک میں جمع کرانا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے ہی اپنا بیشتر قیمتی سامان اپنے مسلمان دوستوں کے پاس حفظِ ماتقدم کے تحت جمع کرایا ہوا تھا اور آج بتاریخ 18 مارچ کو پولیس کی موجودگی میں 630 روپے نقد، 3 سیر چاندی اور کچھ سلکی کپڑے اسے واپس کیے گئے۔

ظاہر ہے 28 ہزار کی رقم ایک ڈرامہ ہے۔ اس قسم کی مبالغہ آمیزیاں توجہ کی محتاج ہیں۔ یہ الزامات سیاسی عداوت اور بدباطنی کے غماز ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ ایسے لوگوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جائے سوائے ایسے لوگوں کے جن کی کہانی آغاز سے انجام تک محض جھوٹ اور بکواس ہو۔ ایسی مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

۳۔ سوہانہ اور ساہونی:

دوسرے دو گاؤں جہاں پر زیادہ نقصان ہوا ہے وہ سوہانہ اور ساہونی ہیں۔ یہ گاؤں جنوبی سمت پر واقع ہیں۔ سوہانہ میں 84 گھر لوٹے گئے اور 4 جلا دیئے گئے۔ جبکہ دوسرے گاؤں میں 31 گھر لوٹے گئے اور 2 جلا دیئے گئے۔ یہ واقعہ 28 جنوری 1932ء کو پیش آیا۔ فسادات کی یہ لہر سیری کی جانب سے آئی اور راجوری کے شمال میں درہال اور تھنہ کے واقعات سے براہ راست متعلق نہیں تھی۔ سوہانہ کیس کی مکمل طور پر راجوری پولیس نے تفتیش کر لی ہے۔ 163 افراد جن کے قبضہ سے لوٹ کا مال برآمد ہوا تھا، کے چالان مرتب ہو کر عدالتوں میں ارسال کیے جا چکے ہیں۔ ہر دو گاؤں میں بازار قسم کی کوئی چیز نہیں۔ پورے علاقہ میں صرف تھنہ کا واحد بازار تھا جسے لوٹا گیا۔ یہاں کے شکایت کنندگان زیادہ تر کاشتکار ہیں جو غریب ہیں انہوں نے شکایت بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیں۔

میں نے ایک دوسرے گاؤں چیتیر کا معائنہ کیا جہاں 8 مسلمان جلا دیئے گئے تھے۔ یہاں پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ ڈاکوؤں نے برابر کا سلوک کیا جو سیری کی جانب سے پہاڑیوں پر سے اُترے تھے۔ اس گاؤں کا ایک آدمی جو ڈاکوؤں سے ملا ہوا تھا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک مزارع تھا جس نے نمبردار

بڑھے خان کو ناراض کر رکھا تھا۔ ڈاکوؤں کا لیڈر فتح محمد تھا جو سیسلکوٹ (Sessalkot) کا جاٹ تھا۔ فتح محمد آف جتوٹ اور دوسرے جو برائیوں میں خاصے بدنام ہیں، ابھی تک روپوش ہیں۔

چنگس اور راجوری کے درمیان واقع دیہاتوں کے لوگوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں ہر دو فرقوں نے برابر کا نقصان اُٹھایا اور وہ ابھی تک پُر امن انداز میں رہ رہے ہیں لیکن سوہانی کا ایک شخص گوپال سنگھ مسئلے کو بھڑکانے میں خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس گاؤں کے مسلمان جاگیر کے مالک ہیں جبکہ وہ اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ نمبردار بن جائے، چنانچہ وہ اپنا اثر و رسوخ اس پہلو کو مدنظر رکھ کر استعمال کر رہا ہے۔

۳۔ جھوٹی رپورٹیں:

جب میں تھنہ میں تھا، میں نے جھوٹی شکایات کی انکوائری کی۔ سوہان سنگھ آف شاہدرہ جو جھوٹی شکایات کرنے میں ماہر ہے، نے رپورٹ کی کہ اس کا مکان لوٹ لیا گیا۔ جس پر ایک شخص نور دین کی گرفتاری عمل میں لائی گئی حالانکہ کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا۔ وہ اور اس کے گاؤں کے دوسرے سکھوں نے تھنہ بازار کے بارے میں انتہائی مبالغہ آمیز شکایات کا طومار باندھا۔ اس سلسلے میں سوہان سنگھ کے خلاف تحت ضابطہ کارروائی کی جائے گی۔

ایک شخص ٹھیکیدار سیٹھ عبدالغنی جس نے بہت سے ہندو خاندانوں کو تھنہ بازار میں لوٹ مار کی رات کو پناہ دی اس پر بازار کے کچھ ہندوؤں نے الزام لگایا کہ وہ بھی لوٹ مار کرنے والوں میں شامل تھا۔ یہ جھوٹی کہانی محض اس لیے گھڑی گئی کہ اس کا بھائی گھوڑے پر سوار اپنی فیملی کو ایک دوسرے گاؤں سے لا رہا تھا۔ اکثریت نے یہ

الزامات واپس لے لیے اس لیے کہ سب لوگوں مع ذیلداروں نے بیان میں کہا کہ یہ شخص تو ایمرجنسی میں بہت زیادہ تعاون اور امداد بہم پہنچاتا رہا۔

ایک نوجوان پوسٹ ماسٹر اُتم سنگھ کا کیس بھی خاصہ بدنامی کا حامل ہے۔ ہوا یوں کہ 7 مارچ جبکہ سپیشل ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس بھی یہاں موجود تھا، اس نے دیکھا کہ رات کے وقت شکایت کنندہ کی چچی ڈاک خانے کی عمارت کو آگ لگا رہی تھی۔ جونہی اُسے للکارا گیا وہ کھیتوں کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کے پاس سے ڈاک ٹکٹوں، ڈاکخانے کے اوزان، غیر تقسیم شدہ خطوط اور پارسل سے بھرا بیگ گر گیا۔ جب اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو رپورٹ کردہ تمام گمشدہ سامان اس کے گھر سے برآمد ہوا۔ اُتم سنگھ پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

میں نے وہ رسیدات بھی دیکھی ہیں جو اس جائیداد کے متعلق تھیں جو ہندو جاتے وقت مسلمانوں کے سپرد کر گئے۔ یہ اشیاء تمباکو، گھوڑوں کی زینیں، وزن کرنے کے پیمانے اور مشین وغیرہ پر مشتمل تھیں۔ یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں کہ کل نقصان کا زیادہ تر حصہ جو ان ڈکیتیوں کے دوران ہو، وہ صرف عمارات کے جلنے کا تھا اس لیے کہ عمارات کو کسی کے گھر بطور امانت رکھا جانا ممکن نہ تھا۔ دوسری جانب میں یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ ہندوؤں نے اپنی دکانیں خود جلائیں اور یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کی دکانیں لوٹی ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

آج 19 مارچ کو تمام بارہ کی بارہ کتابیں جو دینا ناتھ شاہ جو 6 میل دور واقع گاؤں گمیر کا رکا رہنے والا ہے کو قریب کے گاؤں ماجر کے قاضی سیف الدین نے میری موجودگی میں واپس کر دی ہیں۔ یہ کتابیں 20 جنوری کو برآمد ہوئی تھیں اور اس گاؤں کو بھی اُسی شام لوٹا گیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ دونوں فریقین کا اصرار ہے کہ اس سامان کی

واپسی میری موجودگی میں ہوگی، ظاہر کرتا ہے کہ وہ صورت حال جھوٹی اور مبالغہ آمیز شکایت پر مبنی تھی اب بہتری کی جانب گامزن ہے۔

۵۔ لڑھ، سوہانہ، ایتی اور کنڈی کی فائرنگ :

جمعہ 22 جنوری 1932ء کو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو مقامی و غیر مقامی افراد پر مشتمل تھی کھیتوں میں جمع ہوئی۔ یہ مقام "لڑھ" کہلاتا ہے جہاں پر ایک مسجد ہے اور یہ راجوری کے شمال میں واقع ہے۔ اندازاً یہ تعداد 15 ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ تعداد اس سے زیادہ تھی کہ لوگ قرب و جوار کے دیہاتوں کے علاوہ پونچھ سے بھی آئے تھے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ منتشر ہو جائیں لیکن جب انہوں نے فوج اور پولیس پر پتھروں سے حملہ کیا تو پنڈت امرناتھ مجسٹریٹ نے گولی چلانے کا حکم دیا۔ 8 افراد مارے گئے۔ میرے قیام کے دوران مجھے شکایات ملیں اُن لوگوں سے جن کے رشتہ دار مارے گئے تھے اور اُن 2 افراد سے بھی جو زخمی ہوئے تھے۔ ان سب پر واضح کر دیا گیا کہ یہ اجتماع غیر قانونی تھا اور وہ مجرم تھے۔ 2 زخمی افراد جو یہ شکایت لائے تھے، گرفتار کر لیے گئے ہیں۔

3 فروری کو سوہانہ میں ایک تحقیقات کے بعد ملٹری پارٹی جن کے ہمراہ ایک مجسٹریٹ صاحبزادہ محمد عمر بھی تھا، یہ لوگ قیدیوں کو ہمراہ لا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ سڑک بند کر دی گئی ہے۔ بڑے بڑے درخت سڑک پر پڑے ہوئے تھے اور وہاں سے گاڑی واپس موڑنا ممکن نہ تھا۔ اتنے میں ایک بڑا گروپ آ جمع ہوا۔ یہ لوگ گولی چلانے پر مجبور ہو گئے تاکہ انہیں منتشر کیا جا سکے۔ ایک آدمی زخمی ہوا جو تین روز بعد راجوری ہسپتال میں مر گیا۔

11 فروری کو راجوری میں اطلاع ملی کہ تھنہ روڈ غیر محفوظ بن چکی تھی۔ اس

لیے کہ لوگ ''مویی'' کے مقام پر سڑک پر قبضہ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ فوج کا ایک چھوٹا گروپ ہمراہی مجسٹریٹ پنڈت ہنس راج اور سب انسپکٹر نارائن داس کی قیادت میں گاؤں گیا۔ گاؤں کی جانب دو پارٹیاں بڑھیں۔ ایک پارٹی کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ انہیں گولی چلانا پڑی۔ 2 فائر ہوئے اور 2 آدمی مارے گئے۔ 14 کو گرفتار کرلیا گیا جن کے پاس کلہاڑیاں، تلواریں اور لاٹھیاں تھیں۔ 2 سپاہی تلواروں سے زخمی ہوئے اور ایک رائفل تلواروں کی زد میں آ کر خراب ہوئی۔ ظاہر ہے فائرنگ جائز اور انصاف کے تقاضے پر مبنی تھی۔ میں نے موقع ملاحظہ کیا اور مجسٹریٹ کے عمل کی تائید کی۔

17 فروری کو گاؤں کنڈی میں معلوم ہوا کہ ایک پارٹی قیدیوں کو لے کر ہمراہی مجسٹریٹ چوہدری غلام حسین جا رہی تھی کہ ایک بڑے اجتماع کے ساتھ گاؤں پلی میں ان کا سامنا ہوا۔ پہاڑی پر جمع مجمع نے گولیاں چلائیں۔ جس کے جواب میں فوجیوں نے بھی گولیاں چلائیں، ایک شخص مارا گیا۔ یہ فائرنگ ضروری تھی۔

1۔ بھروٹ کی مرزا فیملی:

راجوری کے شمال میں ایک انتہائی بااثر شخصیت مرزا محمد حسین آف بھروٹ ہے۔ یہ شخص فسادات کے بعد یہ جگہ چھوڑ کر جموں چلا گیا البتہ اس کا چچا مرزا غلام نبی بخش جاگیردار یہاں پر موجود ہے۔ بھروٹ گاؤں میں ایک بڑا امیر ساہوکار موہن لعل رہتا ہے۔ یہ ساہوکار اپنا بہت زیادہ سامان 75 خچروں پر لاد کر راجوری لایا۔ لیکن اس کا بہت بڑا گھر جلا دیا گیا۔ اگرچہ راجوری کے ہندو چاہتے تھے کہ فسادات کا الزام ذیلدار پر لگایا جائے جبکہ اس کے اپنے گاؤں کا بڑا ساہوکار بیان کرتا ہے کہ اس نے اپنی طاقت کے مطابق جائیداد کے بچانے اور لاقانونیت کو روکنے کی ہر وہ مدد کی جو اس کی طاقت میں تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں ابھی تک فرقہ وارانہ مخاصمت کے جراثیم موجود

ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک ہزار ایکڑ زمین جو لالہ موہن لعل کی ملکیت ہے کو کاشت کرنے کو مسلمان تیار نہیں ہیں۔ میں نے مرزا نبی بخش کو بتایا کہ اگر آئندہ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہو کہ کاشتکار ہندو کی زمین کاشت کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان سے نمٹا جائے اس نے وعدہ کیا ہے کہ پنڈت کے کاشتکار اس کی زمین کو کاشت کرنے کے لیے واپس آ جائیں گے۔

مرزا محمد حسین کی ہمدردیاں تحریک کے ساتھ تھیں یا نہیں یہ بات اس کے خلاف جاتی ہے کہ اس کے اپنے گاؤں میں واقع ایک بڑا مکان جلا دیا گیا۔ جہاں پر اس کا حکم چلتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ جنگس کے مقام پر ایک غیر مسلح چوکی نے اپنے نواح کے ہندوؤں کے مکانات کو جلنے سے بچالیا۔ مرزا بھی اس مکان کو بچا سکتا تھا لہٰذا اُسے اس مکان کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ ساہوکار اپنے سامان کی منتقلی کے بارے میں انکار کر رہا ہے لیکن بے شمار شہادتیں اور ثبوت موجود ہیں۔ لہٰذا میں اس کے اس بیان پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں کہ دولو ہے کے صندوقوں میں اس کے دس ہزار روپے ضائع ہو گئے۔ اس کا کل نقصان صرف عمارت کا ہے اس اناج کا جو عمارت کے اندر وہ چھوڑ گیا تھا۔ مرزا کے مکان کی طرح اس کا مکان بھی یہاں کے مکانوں کے مقابلے میں بہت بڑا تھا۔ اس مکان کی قیمت 10 ہزار ہوسکتی ہے۔ لیکن اسے بکسوں کی کہانی نہیں گھڑنی چاہیے تھی۔

۷۔ چوری کردہ سامان:

اس علاقہ میں ابھی تک بہت کم مقدار میں چوری شدہ سامان کی واپسی ہوئی۔ کہا جاتا ہے سامان قرب وجوار میں دفن کر دیا گیا ہے۔ تفتیشی عملہ کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ لوگ چوری کردہ سامان اعلانیہ واپس کر دیں گے اور نمبردار ایسے افراد اور سامان کی فہرستیں مرتب کریں گے۔ یہ طریق کار میری ہدایات کے مطابق نہیں۔ اس

احکامات جاری کیے گئے ہیں کہ دیہاتیوں کو موقع دیا جائے کہ ان سے سامان کی واپسی پر کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔ وہ یہ سامان مسجد میں یا دوسرے قابل رسائی مقام پر رکھ دیں گے جہاں سے نمبردار اٹھوالائیں گے۔ اگر وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں گے تو پھر گھر گھر تلاشی لی جائے گی۔

چوری شدہ سامان وہی ہے جو عام طور پر دیہاتی گھروں اور دکانوں میں ہوتا ہے۔ اس سامان میں زیادہ تعداد بستروں، کپڑوں اور دریوں وغیرہ کی ہے۔ روپیہ یا زیورات کی نہیں۔ گاؤں حسنہ جہاں میرا قیام ہے 19 مارچ کو سامان کی واپسی کا ایک تسلی بخش انداز اپنایا گیا۔ فریقین تسیلم کریں نہ کریں ان کی تشفی ضرور ہو جائے گی۔

۸۔ مقدمہ سازش:

300 مقدمات بیک وقت تفتیش اور اتنی بڑی تعداد پر مشتمل مقدمات کا عدالتوں میں لے جانا ممکن نہیں۔ لہٰذا طے یہ کیا گیا ہے کہ ہر متاثرہ گاؤں سے ڈاکے کا صرف ایک کیس لیا جائے اور یہ مقدمات آرڈیننس 13 کے تحت نمٹائے جائیں۔ دوسرے مقدمات جو جلد زیر تفتیش لائے جائیں وہ سازش کے مقدمات ہوں۔

میں جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ راجوری پولیس اسٹیشن کے شمالی دیہاتوں میں واقع شدہ فسادات کی نوعیت جنوبی علاقے کے دیہاتوں سے مختلف ہے۔ لہٰذا ہر دو علاقوں میں الگ الگ قسم کی سازشیں ہوئیں۔ شمالی علاقہ میں سازش کرنے والے معروف افراد درج ذیل ہیں۔

۱) سید حبیب شاہ (اس کا حوالہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے)

۲) فیض محمد نمبردار آف دوداج

۳) چوہدری نعمت اللہ (درہال کے ذیلدار کا بیٹا)

۴) چوہدری قدرت اللہ (درہال کے ذیلدار کا بیٹا)

۵) غلام محمد نمبردار آف منگوٹا

۶) باجا نمبردار آف درہال

۷) عبداللہ نمبردار آف درہال

۸) مسکین گوجر آف پاٹلی

جونہی ممکن ہوا سید حبیب شاہ کو لاہور سے لا کر ریاست کے سپرد کیا جائے گا۔

میں کیمپ میں یہاں تین دن مقیم رہا۔ باقی تمام کو سوائے نمبر 1، 3 اور 8 کے یہاں بلوایا گیا اور انہیں آج ہی گرفتار کر لیا گیا۔ جہتہ کی لوٹ مار میں ان کے خلاف شہادتیں موجود ہیں۔ مسکین گوجر اور فیض محمد مثری پارٹیوں کی آمد سے چوکنے ہو گئے تھے اور اب وہ مفرور ہیں۔

گرفتاریوں کے لیے فوج کا استعمال اب گزر چکا ہے۔ جو گرفتاریاں میں نے درہال میں آج کرائیں وہ بغیر کسی شور شرابے کے عمل میں لائی گئیں۔ البتہ اُس علاقے میں جہاں پر کوئی ہتھیار بند ہے کسی طرح کی مزاحمت کا امکان ہو سکتا ہے۔ جنوبی علاقہ میں جو لوگ فسادات کا باعث بنے وہ درج ذیل ہیں:۔

۱) فتح محمد جاٹ آف سیسل کوٹ

۲) فتح محمد مانیال جنوت

۳) چلاس کا نمبردار

۴) فیض محمد جرال آف ہنگہ

۵) امام دین گوجر (گرفتار شد)

۶) فیروز ولد فتح محمد (گرفتار شد)

اس سازش کا تعلق سیری پولیس اسٹیشن کے فسادات سے منسلک ہے۔ جس کا منبع کوٹلی سوہلن کے فسادات ہیں جو پوری وادی کو تہس نہس کر گئے۔

۹۔اضافی پولیس اسامیاں:

علاقہ میں امن کے حصول کیلئے تین اضافی پولیس چوکیوں کی ضرورت ہے۔

۱) درہال (برائے علاقہ درہال)

۲) چنگس (ساؤنی کے علاقہ کے لیے جو نوشہرہ اور راجوری کے درمیانی راستے کی نگران ہوگی)

۳) سوہانہ (سوہانہ کے علاقہ کیلئے جو سیری اور راجوری کے درمیانی راستے کی دیکھ بھال کرے گی)

پہلی دو چوکیوں کیلئے آسامیوں کی تفصیل:۔

سب انسپکٹر 1، ہیڈ کانسٹیبل 2، فٹ کانسٹیبل 12: کل تعداد=15

تیسری چوکی کیلئے: ہیڈ کانسٹیبل 2، فٹ کانسٹیبل 8: کل تعداد=10

ان پولیس ملازمین پر اٹھنے والے اخراجات درج ذیل گاؤں برداشت کریں گے۔

۱) درہال، نادیاں، کوٹھڑ، سوکاو، پروری اور منگوتا

۲) ساؤنی، بگلہ، چلاس جنوتھر، سیسل کوٹ اور راگراتھ

۳) سوہانہ، ایتی، ڈاڈا

یہ چوکیاں مسلح ہوں گی۔ موزوں دفاع کی حامل عمارتوں کی تعمیر بھی کی جائے گی۔

کچھ عرصہ پہلے یہ تجویز تھی کہ اس پولیس اسٹیشن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح کہ پدحل میں ایک پولیس اسٹیشن قائم کیا جائے۔ پدحل راجوری کے شمال مشرق میں 36 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تجویز یہ تھی کہ ایک پولیس اسٹیشن جموں

میں جھجر کوٹلے کے مقام پر واقع ہے کو ختم کر دیا جائے۔ میں اس تجویز کا بعد میں جائزہ لوں گا۔ فی الحال فوری طور پر یہاں پر ایک دوسرے پولیس اسٹیشن کی اشد ضرورت ہے۔ یہ پولیس اسٹیشن موجودہ کام کے دباؤ اور بیک وقت زیادہ کام کے بوجھ کو برداشت کر سکے گا۔

۱۰۔ مہاجرین:

قصبہ راجوری میں ابھی تک چند ایک مہاجر پڑے ہیں جن کا تعلق پونچھ سے ہے۔ راجوری کے ملحق دیہاتوں کے ہندوؤں کی اکثریت واپس آ گئی ہے سوائے درہال اور سوہانی کے۔ یہ لوگ تاوقتیکہ گرفتاریاں مکمل نہ ہو جائیں اور اضافی پولیس نہ آ جائے واپس نہیں آ سکتے۔ علاوہ ان کے اور کسی ہندو مہاجر کے راجوری میں مقیم رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وادی میں کاروبار پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔ زیادہ تر دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ تھنہ کے ہندوؤں کی دکانیں اُسی انداز میں ہیں جس نداز میں لوٹ مار کے بعد پائی گئی تھیں۔ یہ صورت حال کل تک تھی لیکن آج انھوں نے ان دکانوں کو سنوار لیا ہے۔

۱۱۔ آبادکاری:

اگرچہ اس امر کی توقع نہیں کہ راجوری کی ایک مضبوط ہندو سیاسی پارٹی کبھی یہ اعتراف کرے کہ اب انہیں اطمینان ہو گیا ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ تجاویز جو میں نے دی ہیں اگر ان پر عمل کیا گیا تو آئندہ اس علاقے میں کسی قسم کے احتجاج کا کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ ہندو ساہوکاروں نے اب تک راجوری کے حکام پر خاصہ اثر ڈالا ہے کہ ان کے مقروض افراد کی گرفتاری یا ذاتی دشمنوں کی گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں۔ یہاں تک کہ لاعلم دیہاتی یقین کر رہے ہیں کہ یہ ساہوکار ملٹری کے ساتھ بھیس بدل کر وارد ہوئے

ہیں۔ اس یقین کو رنگ آمیزی یوں حاصل ہوئی جب سرکار نے نمائندوں کی صورت میں کچھ لوگوں کو بھیجا۔ میں یہ جان کر حیران ہوا کہ ایک اشٹامپ فروش، ایک اسکول ماسٹر اور ایک پٹواری کو ان فوجیوں کے ہمراہ ایتی (Aite) گاؤں بھیجا گیا جنہوں نے وہاں گولی چلائی تھی۔ حالانکہ یہ اُس ریاستی ملٹری آفیسر کے زیر کمان ہونی چاہیے تھی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔

دستخط

B. Lawther

****

D.O Letter from Lt. Col. E.J.D Colvin

Prime Minister Jammu & Kashmir State

TO

Mr. C. Latimer, Resident in Kashmir

Dated: 26/3/1932

میں یہاں پر مسٹر لاور آئی جی پولیس کی 21 مارچ 1932ء کی رپورٹ کی ایک نقل ارسال کر رہا ہوں جو مجھے آج ہی موصول ہوئی ہے۔ پیراگراف نمبر 9 میں مسٹر لاور نے پولیس یونٹس میں اضافے کی جو سفارشات کی ہیں ان پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ کیا ان نقصانات کا اندازہ حتمی ہے۔ جو منظوری کیلئے بھیجا جائے یا محض رپورٹوں پر مبنی ہے۔

مثال کے طور پر تھنہ کے نقصانات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ دولاکھ ستر ہزار سات سو پینتالیس روپوں کا ہوا۔ جبکہ لاور خود کہتے ہیں کہ نقصانات بڑھا چڑھا کر

بتائے گئے ہیں۔ جب یہ رپورٹ بھیجو تو خیال رکھو کہ یہ اعداد و شمار پبلک تک نہ پہنچ پائیں۔ میں نے لارڈ سے دوبارہ پوچھا ہے۔ فہرست کے مطابق 315 مکانات کو لوٹا گیا۔ 72 کو جلایا گیا اس طرح کل نقصان 7 لاکھ 2 ہزار 90 روپے بنتا ہے جو بظاہر بکواس دکھائی دیتا ہے۔

(نوٹ: برٹش لائبریری لندن سے حاصل کردہ خطوط اور رپورٹس کا ترجمہ مؤلف نے کیا ہے۔)

راجوری پولیس اسٹیشن کی حدود میں نقصانات کی تفصیل

نام گاؤں	تعداد شکایات	مکانات جو لوٹے گئے	مکانات جو جلائے گئے	تخمینہ نقصان (RS.)	تاریخ وقوعہ
درہال	9	0	5	94854	18/1/32
شاہدرہ	2	1	-	2552	17/1/32
تھنہ	36	36	8	217745	20/1/32
بھروٹ	3	3	1	48353	19/1/32
چندی ناڑ	1	1	-	-	19/1/32
ریحان	3	3	-	3007	19/1/32
منجاکوٹ	1	1	-	1009	21/1/32
سکاٹ	1	1	-	157	22/1/32
سوہانہ	64	64	4	50826	24/1/32
دھنواں کوٹ	3	3	-	334	24/1/32
تھمیر مغلاں	1	1	-	2754	21/1/32
ڈھیریاں	5	[redacted]	3	4637[redacted]	25/1/32
مانی	27	31	2	16091	28/1/32

ٹھنڈی کسی	1	1	-	232	27/1/32
ڑیالہ	6	6	3	28379	27/1/32
بندروٹھ	6	6	6	21200	27/1/32
ترالہ	1	1	1	622	30/1/32
کلر	2	3	3	4744	29/1/32
تھلیان	2	2	-	509	2/2/32
سارگراٹ	9	11	-	8892	16/1/32
بھوند	4	8	-	4721	17/1/32
فتح پور	4	4	-	6939	19/1/32
ڈاڈی	4	4	-	18015	18/1/32
ردال	1	1	-	1779	20/1/32
تروجال	6	6	-	8155	20/1/32
گنڈی	12	12	-	3176	22/1/32
بہرول	4	4	3	-	23/1/32
کاکروٹ	6	6	-	3800	20/1/32
بہان گلی	1	1	-	131	20/1/32
مٹی دھرا	3	2	1	1771	25/1/32
کھمیر	1	1	-	629	25/1/32
براہستان					
دھواس تولہ	9	9	4	39254	28/1/32
ٹھنڈی تراڑ	2	2	-	295	28/1/32
دوداسن	1	1	-	465	21/1/32

27/1/32	35994	10	12	12	گھیڑ
26/1/32	42	-	2	2	گورا
1/2/32	470	2	2	2	راچوا
30/1/32	50937	1	2	2	دبروٹ
2/2/32	509	-	2	2	ریکی باں
1/2/32	13	-	-	1	ڈھانگری
1/2/32	-	-	1	1	سکے
11/2/32	265	-	1	1	سراں دون
10/2/32	2328	1	1	1	سیسل کوٹ
15/2/32	45	-	-	1	چلاس
30/1/32	50937	1	2	2	دبروٹ
27/1/32	414	-	1	1	سموٹی
27/1/32	134	-	1	1	چھیڑ ڈیرہ
30/2/32	168	1	1	1	سرولا
16/2/32	1275	10	10	10	گورڈ
	Rs. 7,02,090/-		315	301	

(سات لاکھ دو ہزار نوے روپے)

فہرست انگریز افسران

1931-32ء کی تحریک عدم ادائیگی مالیہ کے دوران میرپور میں انگریز فوج نے مارشل لاء لگایا۔ ان دنوں جو انگریز افسران یہاں تعینات تھے اُن کی فہرست ذیل ہے۔۔

1) Mr. R.E.L Wingate, Deputy Secretary

Govt. of India Political & Foreign Affarirs

2) Mr E. D Colvin, Prime Minister J & K

3) Mr Albion Banerji, Finance Minister J & K

4) Mr L.W. Jordine, Finance Minister

5) Mr. B. Lawther, Inspector General of Police J & K

6) Mr C.V Salusbury O S D Mirpur 1931-32

7) Mr C. Latimer, Resident in J & K

8) Mr F M Bailey, Resident in J & K

9) Mr. E.J. Esquith Senior Civil Officer, Mirpur

10) Mr. D R. Smith, Senior Civil Officr, Mirpur

11) Mr. L. Middleton, Inquiry Officer MIRPUR.

****

<u>وضاحت:</u> محترم پروفیسر عبدالواحد قریشی صاحب کی گراں قدر تصنیف میں بعض مقامات اور شخصیات کے اسما کے حوالے سے جو سقم رہ گئے ہیں ان کے حوالے سے اولاً یہ بات منظر عام پر لانا ضروری ہے کہ ڈوگرہ مہاراجہ کے خلاف اسلامیان ریاست کی عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک کے دوران متعصب ہندو ڈوگرہ پولیس افسران اور متعصب انگریز ریذیڈنٹ وغیرہ نے جان بوجھ کر مسلم حریت پسندوں کو "ڈاکو" اور لٹیرے قرار دیا اور جان بوجھ کر ان کے نام بھی اپنی رپورٹس میں "مس کوٹ" کیے۔ اور یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ چنانچہ اسی حوالے سے مندرجہ صدر اقتباسات میں در آنے والی اغلاط (ترجمہ میں) اور شخصیت کے اسما کو درست طور پر درج کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔

(۱) کتاب کے صفحہ نمبر 333 پر جہاں:

''سید حبیب شاہ ولد حاجی نور بخش نامی رہتا ہے۔''

لکھا ہے۔ وہاں ''سید محمد حبیب اللہ شاہ ولد حاجی سید نوران شاہ'' پڑھا جائے۔

(۲) اسی صفحے پر جہاں ... ''یہ سید لاہور بھاگ گیا اور ابھی تک بھگوڑا ہے'' لکھا ہے، وہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ والد گرامی سید محمد حبیب اللہ شاہ بھگوڑے ہو کر نہیں بلکہ مجلس احرار کے امیر جناب فضل حق کے ہمراہ حضرت علامہ اقبالؒ سے لاہور میں ملاقی ہو کر ان سے ریاستی حالات بیان کرتے ہوئے معاونت کے خواستگار ہوئے تھے کیونکہ ان دنوں حضرت علامہ اقبالؒ کشمیر کمیٹی کے صدر تھے۔ چنانچہ انہی کی وساطت سے ازاں بعد سر گلینسی کی سربراہی میں معاملاتِ ریاست کی تحقیقات کے لیے ''گلینسی کمیشن'' کا قیام عمل میں لایا گیا جس سے اسد میان ریاست کے کئی مسائل حل ہوئے۔

(۳) صفحہ نمبر 342 پر جہاں: ''درہال، نادیں، کوٹھڑ، سوکار، پروری اور منگوتا'' لکھا ہے، وہاں: درہال، ناڑیاں، کوٹھڑ، سوکڑ، پروڑی اور من کوٹا'' پڑھا جانا چاہیے۔

اسی طرح دیگر مقامات کے نام بھی سہواً غلط لکھے گئے ہوئے ہیں جن کا حوالہ اختصار کی وجہ سے یہاں نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ محترم پروفیسر صاحب کو جناب غلام حسین چوہان کے متذکرہ بالا مکتوب میں صراحت کر دی گئی ہے۔ اُمید واثق ہے کہ فاضل مولف کتاب کے نئے ایڈیشن میں مواد کو درست کریں گے۔



صاحبزادہ سید ضیاء الحسنین نسیم کاظمی

(سجادہ نشین آستانہ عالیہ حبیبیہ نورانیہ بانیاں شریف چھب)



1991ء میں نیویارک میں بھارتی مظالم کے خلاف کشمیریوں کے
احتجاجی مظاہرے میں مصنف بھی شریک ہیں۔



واشنگٹن (امریکہ) میں 31 جنوری 2001ء کو بھارت کے
خلاف مظاہرے میں مصنف بھی شریک ہیں۔

تمت بالخیر

"چراغوں میں روشنی نہ رہی" کے زیر عنوان مصنف نے مختصراً جو کچھ تاریخ کی نذر کیا اس کی وضاحت اگرچہ کافی حد تک کر دی گئی ہے تاہم چونکہ مصنف نے نہایت اہم موضوع پر اپنی شدید بیماری کی حالت میں قلم اٹھایا اور پہلا مکمل مسودہ ضائع ہو جانے کی بنا پر ذہن میں محفوظ تاریخی واقعات اور پون صدی سے جدوجہد آزادی کشمیر میں گراں قدر قربانیاں دینے والے شہداء، غازیوں کے اسمائے گرامی کے اندراج میں کمی بیشی کا احتمال ہے، بالخصوص قائد ملت کی راہنمائی میں جن عظیم زعماء اور کارکنان نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے پرچم تلے تحریک الحاق پاکستان میں حصہ ڈالا ان کی صحیح تعداد کون جانے؟ جدوجہد آزادی میں جموں کی آخری کاہنڈیوں سے لے کر گلگت و بلتستان کی وادیوں میں جاری تحریک محلہ مست گڑھ جموں کے مستری عبدالکریم سے لے کر سرزمین پونچھ کے شہدا سبز علی خان، ملی خان، باغ کے سید خادم حسین شاہ، شہداء راجوری کے پیر سید سلیمان شاہؒ کے ساتھ ہزاروں شہداء و غازیوں کے کارناموں سے بھرپور فاتح گلگت کرنل حسن خان تک پہنچتی ہے۔

اتنی طویل جدوجہد میں بے شمار حضرات کے نام رہ گئے ہوں گے جن کا ذکر ہونا ضروری تھا مصنف ان سب عظیم شہدا اور غازیوں کی پاک ارواح سے معذرت خواہ ہے۔ جدوجہد آزادی کشمیر اور تحریکِ الحاق پاکستان کی داعی، آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے چراغوں سے اپنے ذاتی مقاصد کے لیے روشنی ختم کرنے والے سردار عتیق احمد خان کے نام پہاڑی زبان کے معروف شاعر محمد بوٹا کا شعر نقل کرتا ہوں:

؎ محمد بوٹیا عرش دے فرش اُتوں
ایسا جلکیا تخت تڑی پُھٹا

*****

اقتباس: از تعارف مصنف

مصنف کی زندگی کا یہ سفر اور روداد غم نصف صدی پر محیط ہے۔ روداد غم اس لئے کہ جن عظیم ہستیوں نے ریاست جموں و کشمیر میں جد و جہد آزادی کشمیر کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جن کی نگرانی میں مصنف نے شعور کی آنکھ کھولی۔ جن کے زیر سایہ مصنف کی تربیت ہوئی۔ اس تربیت کے نتیجہ میں مصنف نے 1995ء میں اپنی پہلی تصنیف "امام الانبیاءؐ" کے نام سے تالیف کی۔ حضرت علامتہ العصر پیر سید محمد حبیب اللہ شاہ ضیاءؒ، سید محمد عبداللہ شاہ آزادؒ، جناب اے آر ساغرؒ، رئیس الاحرار، قائد ملت چودھری غلام عباسؒ محترم سردار محمد عبدالقیوم خان .... میرے یہ محسن ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مصنف کو بیماریوں نے آگھیرا نہ صحت برقرار رہی نہ ہی میرے وہ وسائل ہیں بیماری کی حالت میں اعصابی کمزوری اس حالت میں نصف صدی کی یہ روداد لکھنا کارِ دارد والی بات ہے۔ اس میں کمزوریاں ہوں گی، ممکن ہے بعض واقعات کی تکرار بھی ہو بہر حال کمی بیشی کا احتمال ہے۔ امید ہے قارئین در گذر فرمائیں گے۔ جن احباب کی کسی وجہ سے دل آزاری ہوئی ہو ان سے بھی معذرت!

سید آغا حسین مغموم

نور پور سیداں، تحصیل سوہاوہ، ضلع جہلم